موتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ کی ایک اہم علمی ادبی تجزیاتی اور عظیم تاریخی پیش کش
جلد ثانی
اسلام اور عصر حاضر
اسلام اور عصر حاضر مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے ان قیمتی شذرات کا مجموعہ ہے
جو آپ ۶۵ء سے لے کر ۷۶ء تک موقر ماہنامہ "الحق" کے لیے لکھتے رہے۔
اہل علم حضرات دانشور طبقہ وکلاء پروفیسر ادیب اور الغرض ہر طبقہ اور مکتبۂ فکر کے متعلقین
کو ماہنامہ الحق کے اداریہ بعنوان نقش آغاز کا شدت سے انتظار رہتا۔ اور مولانا کا مخصوص
رنگ انہی اداریات میں پوری آب و تاب کے ساتھ جھلکتا تھا۔
پھر جب انہی شذرات پر مشتمل کتاب اسلام اور عصر حاضر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی تو
اس کا علمی حلقوں میں زبردست خیر مقدم کیا گیا۔ اس کے بعد اب کافی عرصہ سے مولانا اپنی دینی سیاسی
تدریسی اور دیگر گوناگوں مصروفیات کی بناء پر نہیں لکھ سکتے لیکن ۷۶ء سے لے کر ۸۳ء تک
تو یہ شذرے اور نقوش آغاز آپ احاطہ تحریر میں لاتے رہے۔ چونکہ اس کتاب کا شائع ہوئے
کافی عرصہ ہو چکا تھا۔ اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ باقی ماندہ شذرات کو بھی ترتیب دی جائے
اور اسی طرح ان سابقہ نقوش آغاز میں جو ادارئیے کسی مصلحت کی بناء پر کتاب میں شامل نہیں
کیے گئے تھے ان کو بھی شامل کیے جائیں۔
چنانچہ اس اہم ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کے فرزند ارجمند حافظ راشد الحق حقانی
نے انتہائی محنت اور عرق ریزی سے ان بکھرے موتیوں کو یکجا کیا اور بڑے سلیقے سے سلک حسن ترتیب
میں اس کو پرو کر ایک حسین مالا تیار کیا۔ ان شاء اللہ علوم قرآن و حدیث فن و ادب تاریخ و ثقافت
سیاست اور حالات حاضرہ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ ایک حسین مرقع اور لازوال تحفہ
ثابت ہوگا۔ کمپیوٹر کتابت، عمدہ طباعت اور شاندار جلد بندی کے ساتھ۔
عنقریب منظر عام پر آرہی ہے
موتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۔۔۔ ۳۰
شمارہ ۔۔۔ ۴/۵
شعبان/رمضان ۔۔ ۱۴۱۵ھ
جنوری/فروری ۔ ۱۹۹۵ء

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم
۳۴۱ / ۴۳۵
کوڈ نمبر ۔ ۰۵۲۴۹

بیاد
حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر : ۔ عبدالقیوم حقانی

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم ۔ شفیق فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقشِ آغاز ۔۔۔۔۔ ادارہ ۔۔۔۔۔ ۲

علماء امت اور زعماء دین کی خدمت میں

مدیر تکبیر محمد صلاح الدین کی شہادت

نظامِ اکل و شرب میں شریعت کی رہنمائی ۔۔۔۔۔ مولانا سمیع الحق مدظلہ ۔۔۔۔۔ ۱۰

(میٹھی چیزوں، سالن کے بارے میں ہدایات اور پڑوسی کے حقوق)

قرآن حکیم اور نظامِ کائنات ۔۔۔۔۔ مولانا شہاب الدین ندوی ۔۔۔۔۔ ۱۹

اظہار الحق اور اس کے مولف مولانا رحمت اللہ کیرانوی رح ۔۔۔۔۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۔۔۔۔۔ ۲۷

ظہور فساد اور اس کے اسباب ۔۔۔۔۔ جناب اسرار عالم صاحب دہلی ۔۔۔۔۔ ۳۷

صہیونیت ایک خطرناک یہودی تحریک ۔۔۔۔۔ جناب ڈاکٹر غلام فرید بھٹی ۔۔۔۔۔ ۴۵

سیدنا حضرت ابوہریرہ رض (سیرت وسوانح) ۔۔۔۔۔ جناب طالب ہاشمی صاحب ۔۔۔۔۔ ۴۹

اختلاطِ مرد و زن اور ستر و حجاب ۔۔۔۔۔ مولانا ذاکر حسن نعمانی ۔۔۔۔۔ ۵۵

نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے ۔۔۔۔۔ حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر ۔۔۔۔۔ ۶۳

دارالعلوم کے شب و روز (تقریب ختم بخاری) ۔۔۔۔۔ شفیق الدین فاروقی ۔۔۔۔۔ ۶۷

تعارف و تبصرۂ کتب ۔۔۔۔۔ مولانا عبدالقیوم حقانی ۔۔۔۔۔ ۶۹

پاکستان میں سالانہ ۱۰۰/ روپے فی پرچہ ۱۰/ روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۱۶/ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۔ ۱۲/ ڈالر

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

علماء امت اور زعماء دین کی خدمت میں
مدیر تکبیر محمد صلاح الدین کی شہادت

یکم دسمبر ۱۹۹۴ء بمطابق ۲۶ جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ ساڑھے ۱۲ بجے دن کے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے دفتر اہتمام میں حاضری ہوئی تو چینی زعماء کا ایک وفد جناب عبدالستار عبدالکریم (جدہ) کی قیادت میں بغیر کسی پیشگی اطلاع کے دارالعلوم تشریف لایا تھا وفد کے شرکاء جناب ذالنون محمد قاسم ترکستانی (طائف) جناب نور احمد ترکستانی (ریاض) جناب عبدالقادر دعوہ (مکۃ المکرمہ) اور جناب علی خان صاحب اور ان کے دیگر رفقاء تھے۔ وفد کے ساتھ دارالعلوم کے مہتمم حضرۃ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مصروف گفتگو تھے، اچانک آنے والے اس وفد کیلئے دفتر اہتمام ہی میں ضیافت کا اہتمام کیا گیا تھا حضرۃ مہتمم صاحب کے اصرار پر احقر بھی باہمی گفتگو، تبادلہ خیالات اور علمی ودینی مذاکرات اور مشاورت میں شریک ہوا، یہ چینی زعماء چین میں کافرانہ نظام کے جبر واستبداد کے دور میں سعودی عرب ہجرت کر گئے تھے اور اب جو وہاں سے مسلمانوں کو قلیل تعداد میں حج پر جانے کی آزادی ملی۔ روسی نظام کے انہدام کے بعد وہاں کے ظالمانہ نظام کا پنجۂ گرفت قدرے کمزور ہوا تو مسلمانوں نے پھر سے دینی تعلیمات کے حصول وترویج کا کام شروع کر دیا انہوں نے بتایا کہ تعلیماتِ اسلام کے حصول کی غرض سے دسیوں چینی طلبہ اپنے طور پر ہجرت کر کے اسلامی ممالک کا رخ کر رہے ہیں ان کی یہ بھی خواہش تھی کہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ وسطی ایشیاء کی نو آزاد ریاستوں سے آنے والے طلبہ کے لیے تعلیم کے اہتمام کی طرح چینی طلبہ کے لیے بھی ان ہی کی زبان میں تعلیم وتدریس اور ان کے قیام کا انتظام کرے حضرۃ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے امکان بھر اپنے تعاون اور چینی طلبہ کے لیے ان ہی کی زبان میں تعلیم کے سلسلہ میں اپنے ممکنہ تعاون کا اظہار فرمایا، چنانچہ چینی طلبہ کا پہلا گروپ دارالعلوم پہنچ چکا ہے اور ان کے لیے ان ہی کی زبان میں علیحدہ تعلیم کا اہتمام کر دیا گیا ہے۔ اس موقع پر چینی زعماء نے یہ بھی بتایا کہ چین کے ترکستانی علاقہ میں اب بھی علماء طلبہ اور دینداروں پر مظالم اور جبر واستبداد کا وہی پرانا وطیرہ روا رکھا گیا ہے۔ پھر عالمی حالات زیر بحث آئے، سب حضرات کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ روسی نظام کے انہدام کے بعد اب امریکی جارحیت کا سب سے بڑا مدِ مقابل اور سخت جان حریف اسلامی تعلیمات، دینی قوتیں اور سچے مسلمان ہیں اور دینی قوتوں کی حالیہ آویزشیں، انتشار واختلافات اور باہمی ناچاکیاں بھی صیہونی سازشوں کا نتیجہ ہیں، اس سلسلہ میں دینی قیادت، علماء، اساتذۂ علم مشائخ اور دینی تحریکوں کے زعماء کا کردار بھی زیر بحث آیا۔

یہ علمی و دینی اور روحانی محفل ختم ہوئی، اضیاف رخصت ہوئے مگر اس کے اثرات احقر کے قلب و ذہن پر پتھر کی لکیر بن گئے ذہنی اور فکری طور پر کئی تجزیے، جائزے، ارادے، عزائم اور خاکے بنتے رہے اور کئی سانچوں میں ڈھلتے رہے سب کا ہدف اور نتیجہ وہی نکلا جو ذیل کی سطور میں علماء امت اور زعماء دین کے حضور پیش خدمت ہے۔ اگر لہجہ ترش، انداز تلخ اور سوءِ ادب کو کوئی ادنیٰ سی خلش بھی محسوس ہو تو پیشگی عفو کی درخواست ہے۔

آپ حضرات سے بڑھ کر اس حقیقت سے کون واقف ہوگا کہ دین (اسلام) چند فقہی مسائل کچھ روحانی واردات اور خدا اور بندے کے درمیان انفرادی تعلق کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، فرد کی ذات سے لے کر انسانی کائنات تک کا ہر گوشہ دین کے احاطہ کار میں شامل ہے، باطنی واردات اور ظاہری معاملات دین ہی کے دائرے میں محو گردش ہیں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر قدرت حق نے اجتماعی قیادت اور عالمی امامت کا تاج سجایا اور قیامت تک باقی رہنے والی نسل انسانی کے ہمہ نوعی مسائل کا حل دین اسلام میں منحصر اور مضمر ہے اور یہ حل چند اصولی ضابطوں اور تجریدی اشارات کے ذریعے واضح نہیں کیا گیا۔ بلکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے اسلامی ریاست تشکیل دی اور خلافت کا باضابطہ ایک ادارہ وجود میں آیا جس نے (محدود مدت ہی سہی) اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نظام اور مثالی معاشرت کو محسوس اور مشہود حقیقت کے طور پر اکناف عالم میں متعارف کرایا۔ اس دور کا ہر وہ کونہ اور گوشہ جو ذرا بھی تہذیب آشنا تھا اس نظام کی برکتوں سے فیض یاب ہوا اور رہتی دنیا تک بھی چند سال قوموں کے آدرشوں اور آشاؤں کا مرکز و محور بن کر رہ گئے ہیں اور آج کا امریکی یورپی، افریقی اور ایشیائی انسان اسی فردوس گم گشتہ کی تلاش میں مصروف سفر ہے۔

یہ امر بھی چنداں محتاج وضاحت نہیں کہ عالم کفر ہر محاذ پر عالم اسلام سے برسر پیکار رہے وہ کفر خواہ مشرق کا ہو یا مغرب کا (یعنی اشتراکی ہو یا سرمایہ دارانہ، اگرچہ بظاہر یہ دونوں نظام (اشتراکی اور جمہوری) چند اوپری سطحوں پر ایک دوسرے سے الجھتے دکھائی دیتے ہیں لیکن تاریخ کا ہر ورق اسلام کے مقابلہ میں ان دونوں کے ذہنی اور فکری اتحاد کی برسر عام چغلی کھاتا اور گواہی دیتا ہے، چاہے مرحلہ سقوط خلافت کا ہو یا مسلم ممالک کو غلام بنانے کا، معاملہ تعمیر افغانستان کا ہو یا مسئلہ فلسطین کا اور اسی طرح آذربائیجان کے مسلمانوں میں اسلامی انقلاب کی لہر ہو یا وادی کشمیر کی تحریک حریت و خود مختاری ہو، ہر موڑ پر عالم کفر کے مختلف اعضاء باہم گر جڑے نظر آتے ہیں۔ اور تاریخ کے ان اوراق کو بار بار پلٹنا بھی گویا تحصیل حاصل ہے کہ عالمی استعمار کے خلاف مختلف ممالک کی جد و جہد آزادی کی پشت پر کارفرما جذبہ

دینی اور مذہبی تھا اور آزادی کے حق میں پہلی آواز بھی مکاتب و مدارس سے بلند ہوئی، الجزائر، سوڈان لیبیا، انڈونیشیا اور پاکستان کے استقلال و قیام میں مؤثر ترین عنصر دین کا تھا مگر بدقسمتی سے عین آخری مرحلے میں زمام کار سیکولر ہاتھوں میں چلی گئی اور مذہبی رہنما ان تحریکوں کا ضمیمہ بن کر رہ گئے۔

اس مسئلے سے بھی آپ حضرات سب سے زیادہ واقف ہیں کہ مسلم ممالک کا معاشرہ تمام تر اکھاڑ پچھاڑ مغرب کی یلغار اور ثقافتی و نفسیاتی بوچھاڑ کے باوجود اب تک مذہبی معاشرہ ہے اور علماءِ دین اس کا جزوِ اعظم ہیں، معاملہ تبلیغ اسلام کا ہو یا تعمیر اخلاق کا، بات دینی تعلیم کی ہو یا فکری رہنمائی کی، ضرورت تقویٰ و طہارت کی ہو یا رُشد و ہدایت کی، مسئلہ فرد کی کردار سازی کا ہو یا اجتماع کی چارہ سازی کا نگاہیں بے اختیار علماء کرام کی طرف اُٹھتی ہیں کیونکہ افرادِ معاشرہ انہیں علوم نبوت کا وارث اور منصب قیادت و سیادت کا حامل سمجھتے ہیں۔ اس اعتبار سے مسلم عوام اور علماءِ کرام کا باہمی ربط مچھلی اور پانی یا پھول اور خوشبو جیسا ہے مگر اس فطری ربط کے باوجود معاشرتی اور ذہنی ربط و ارتباط کمزور پڑتا جارہا ہے ایسا کیوں ہے؟ ظاہر ہے اس کے کچھ اسباب ہوں گے اور ہیں، ہرچند کہ یہ اسباب خوشگوار نہیں لیکن ان کا تذکرہ اور ان پر تبصرہ ضروری ہے اگرچہ ایسا کہتے ہوئے زبان لغزیدہ اور لکھتے ہوئے قلم لرزیدہ اور ان اسباب کو بیان کرتے ہوئے سچی بات یہ ہے کہ دل کبیدہ ہو جاتا ہے اور اس کے پیچھے احترام اور عقیدت کی وہ کیفیت ہے جو وارثانِ مسندِ نبوت علمائے کرام سے ہے کہ دین جہاں، جتنا اور جیسا کچھ ہے علماء کے وجودِ مسعود کے باعث ہے۔ ورنہ مسلم معاشرہ کب کا تاریخ کے طاقچوں میں نذرِ نسیاں ہو چکا ہوتا

حضرات علماء کرام! اس ضمن میں تاریخ کے ہر موڑ اور واقعات کے ہر مرحلے کی نقاب کشائی کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی طویل سیاسی و عمرانی تجزیہ پیش نظر ہے بلکہ صرف اُن مختصر اسباب کو دل کی گہرائیوں سے اُمڈتے ہوئے ادب اور نہاں خانہ ذہن و ضمیر میں موجود عقیدت کے ساتھ پیش کیے جائیں گے جو تعداد میں محض تین[۳] ہیں مگر تاثر کے اعتبار سے اہم ترین ہیں۔

اوّلاً: اس وقت دنیا کا عمومی معاشرہ تین[۳] شیطانی گروہوں کے نرغے میں ہے۔ ایک طرف سائنٹیفک سوشلزم کے علمبردار ہیں (جو اگرچہ اپنے اندرونی فکری تضادات اور عملی ناکامیوں کے باعث پسپائی اختیار کر چکے ہیں)

دوسری جانب مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے حامی جو انسانیت کو اپنے شکنجۂ استحصال میں کس کر اس کا آخری قطرۂ خون نچوڑنے پر کمربستہ ہیں اور تیسری طرف وہ اباحیت پسند اور مادیت پرست ہیں

بو معاشرے کو محض لذت کدہ اور عیش گاہ بنانا چاہتے ہیں۔ متذکرہ صدر تین گروہوں کے علاوہ مسلم ممالک
ے حکمران طبقات بھی قریب قریب روحِ اسلام سے ناآشنا نفاذِ اسلام سے برگشتہ اور فروغِ اسلام سے
بکسر بے تعلق ہیں، اِس وقت غلبۂ اسلام، استحکامِ عالمِ اسلام اور اعلائے کلمۂ حق کے لیے مینارۂ نور ہے
ر علماء کرام ہیں جن کی متفق قیادت شیطانی گروہوں کے حصار کو توڑ سکتی ہے مگر بدقسمتی یہ ہے کہ دینی قوتوں
کے انتشار نے ہماری ملت کی قوت کو اتنا مضمحل کر دیا ہے کہ عامۃ الناس اب لادین سیاسی قیادت پر قناعت
رنے پر آمادہ دکھائی دیتے ہیں جو کسی المیئے سے کم نہیں حالانکہ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ نے دنیا کو ایک اُمت
ا ملت سے روشناس کرایا تھا جسے "اُمتِ وسطیٰ" اور "ملتِ حنیف" کا عالمگیر اعزاز اور خطاب نصیب
وا اب وہ ملت پارہ پارہ اور اُمت ٹکڑے ٹکڑے ہوتی جا رہی ہے، جس اُمت یا ملت نے ایک
مانے میں دنیا کو ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ایک کلمہ اور ایک امام سے رُوشناس کرایا تھا۔ اب
وہ خود "بے امام" بن کر رہ گئی ہے، ہم جانتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں کہ امتِ مسلمہ کے مختلف طبقات
ے درمیان کچھ کلامی اختلافات ہیں، چند تاریخی تنازعات ہیں، بعض فقہی تضادات ہیں لیکن اس
سب کے باوجود عظمتِ اسلام اور غلبۂ اسلام کا تصور اور جذبہ ان سب پر حاوی اور بھاری ہے اور اسی
جذبے کو "مرشدِ راہ" بنا کر بڑی سے بڑی کلامی، تاریخی اور فقہی خلیج عبور کی جا سکتی ہے۔
مسلّمات اور فروعات میں حدِ امتیاز قائم کر کے اسلامی انقلاب کی منزل کی طرف محوِ سفر ہوا جا سکتا
ہے۔ غالباً ایسی ہی نوعیت کی کچھ باتیں تھیں جو بڑھ کر اتنی سنگین ہو گئیں کہ دو مواقع پر عالمِ اسلام
نیادول سمیت لرز کر رہ گیا۔ ایک سانحہ سقوطِ بغداد کا اور دوسرا المیہ تحلیلِ خلافت کا جنکے زخم آج بھی رِس رہے ہیں

ثانیاً: عصرِ رواں کے پچاس ساٹھ سالوں میں ایک تبدیلی اور بھی آئی ہے اور جو قطعاً خوشگوار
نہیں اور جس کے اثرات رفتہ رفتہ اب ہر سطح پر محسوس کیے جا رہے ہیں، وہ یہ کہ حضرات علماء کرام نے مختلف
ممالک میں مغربی استعمار کے دیئے ہوئے سیاسی فریم ورک میں اپنے آپ کو فٹ کر کے جمہوری (معروف
معنوں میں) اور انتخابی سیاست کے ذریعے غلبہ اور نفاذِ اسلام کی کوشش کی جس سے اسلام تو کیا نافذ ہوا
خود وجودِ اسلام موضوعِ بحث بن گیا اور علمائے کرام اُن باٹوں تلنے لگے جو انگریز نے اپنے مقاصد کے لیے
اٹھائے تھے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ علماء کرام سیاست میں حصہ نہ لیں سیاست اسلام کا جزو ہے۔ تہذیب
تمدن اور تدبیرِ منزل سیاست کہلاتی ہے اور یہ قبا علماء کرام کے وجود پر راست آتی ہے، مگر اصرار یہ
ہے کہ مغربی جمہوری سیاست ہرگز اس لائق نہیں کہ اس بازار سے گزرا جائے کجا کہ اس میں سجی دکانوں کا

ہمارے نقطہ نظر کے مطابق) ملاحظہ فرمایا اب تیسرا سبب پیشِ خدمت ہے ۔

جہاں تک معلوم ہو سکا اور مطالعہ اور حافظہ ساتھ دیتا ہے ہر ملی اور سیاسی تحریک کا نقطۂ آغاز آپ کی ذاتِ گرامی رہی ہے۔ بارش کا پہلا قطرہ بننے کا اعزاز آپ کو حاصل رہا ہے مگر جب چھما چھم برسنے کا موقع اور سرزمینِ ملت میں روئیدگی کا وقت آیا تو بوجوہ کچھ اور لوگ گھرے بادل بن کر اُٹھے اور مطلع ملت وسیاست پر چھا گئے جس کے نتیجے میں سارا کریڈٹ انہیں مل گیا ۔ ماضی قریب کی تاریخ کو سامنے رکھ لیں تو مسئلہ واضح ہو جاتا ہے ۔ سنوسی تحریک، امامِ شامل رح کا نعرۂ حق ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی، نوری موومنٹ، تحریکِ خلافت، تحریکِ ہجرت، بالاکوٹ کا مقتل جزائر انڈیمان کی داستانِ عزیمت وشہادت، قیامِ پاکستان، تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ص اور جہادِ افغانستان ہر جگہ مؤثر ترین عنصر دین ومذہب رہا ہے، ہر تعذیب وتعزیر ہنسی خوشی برداشت کی گئی کہ جذبۂ محرکہ دین تھا، الجزائر میں قبرستان آباد ہو گئے، سوڈان ولیبیا کے صحرا لالہ زار ہو گئے، مصر وشام کے گلی کوچے داستانِ شوق وعشق کے ورق بن گئے سرزمینِ ہند بساطِ عزم وہمت قرار پائی افغانستان خونِ شہادت سے لالہ زار بن گیا محض اس لیے کہ دل ودماغ کی پیشانیاں سجدہ گاہِ دین پر جھک گئیں، الغرض ہر تحریک کا مواد اور محرک دین تھا اور اسے رجالِ دین کی قیادت حاصل تھی مگر جب پھل پکنے کا وقت آیا تو جھولیاں انہوں نے پھیلا دیں جو یا تو نکتہ چین تھے یا تماش بین! اور پھر یہی لوگ ہیرو بن گئے، اور پھر رفتہ رفتہ علماء کرام کو اس دھارے سے الگ کرنے کا معمول سا بن گیا، اور غالباً علماء بھی اس پر قانع اور راضی ہو گئے خواہ طوعاً یا کرہاً حالانکہ امرِ واقعہ ہے کہ علماء کرام نے نہ کبھی "سر" کا خطاب حاصل کیا نہ "آنریبل" کہلائے نہ "خان بہادر" کا لقب ملا اور نہ ہی "دو ہزاری" اور نہ "دہ ہزاری" کے منصب پر فائز ہوئے، اور اسی طرح آج تک علماء نے نہ ملک توڑا نہ ملک بیچا، نہ مارشل لاء لگایا اور نہ ملک وملت کے مفاد کو غیروں کے ہاتھ میں رہن رکھا، ان "اعزازات" کی مالا ان کے گلے میں نظر آتی ہے جو شومئی قسمت آج منصبِ قیادت پر جلوہ افروز نظر آتے ہیں ۔

لیکن اس کے باوجود علماء سیکولر قیادت کا ضمیمہ بننے پر رضامند ہو گئے۔ کتنے اونچے نام ہیں جو سیاسی بونوں کے حوالے سے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں ۔

مدعا یہ ہے کہ آپ حضرات ہر معاملہ میں قیادت کی زمام اپنے ہاتھ میں رکھیں، ضمنی کے بجائے قائدانہ کردار ادا کریں کوئی حکمران، کوئی جاگیردار، کوئی سرمایہ دار اور کوئی سیاستدان آپ کو اپنی مرضی کے ایشو پر نہ ابھار سکے، البتہ بعض ممالک میں علماء نے کسی حد تک اس داغ کو دھو دیا ہے انہوں نے روزِ اول سے زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لی اور اب تک انقلاب کو کسی کی تحویل میں نہیں جانے دیا، ایسے انقلاب

سے ہزار اختلاف ہو سکتا ہے مگر علماء کی قیادت ایک ایسا پہلو ہے جس پر آپ ضرور توجہ فرمائیں ۔
علماء ذی وقار ! آج کل یورپ جو ڈھنڈورہ پیٹ رہا ہے کہ مسلم ممالک میں "بنیاد پرستی" کی تحریکیں زور پکڑ رہی ہیں اسلام "جنگجو" ہوتا جا رہا ہے یہ صرف اس لیے ہے کہ اُسے "مرغانِ دست آموز" کی قیادت مطلوب ہے وہ مجاہد اور متقی علماء کو اگلی صفوں میں نہیں دیکھنا چاہتا یورپ کو اسلام سے بھی زیادہ "اسلامی قیادت" سے بغض ہے وہ کسی آکسن اور کینیڈا ٹائپ سیاستدان کے اسلام سے خوفزدہ نہیں اُسے اُس اسلام سے ڈر ہے جسے پیش کرنے کے لیے روحِ اسلام سے ہم آہنگ علماء سرِ فہرست ہوں، کیوں کہ خدا ترس اور رمز شناسِ دین علماء کے ہاتھوں برپا ہونے والا انقلاب "اسلامی" ہو گا جو نئے نظام کی تلاش میں سرگرداں دُنیا کو حقیقی اور خود مختار قیادت فراہم کرے گا ۔

مدیر تکبیر محمد صلاح الدین کی شہادت

دسمبر کے آغاز میں ملک کے معروف ہفت روزہ تکبیر کراچی کے مدیر شہیر بھی بالآخر اسی دہشت گردی اور لاقانونیت کا شکار ہو گئے ۔ جس کے خاتمہ کے لیے مرحوم ابتداءِ روز سے پوری جرأت، قوتِ ایمانی بہادری اور جذبۂ جہاد کے ساتھ جہاد بالقلم اور جہاد باللسان میں مصروف تھے ۔ مرحوم حق گوئی و بے باکی کا ایک نمونہ، اسلامی صحافت کے احیاء و ترویج کی ایک مثال، عالمی سیاست پر اسلامی نقطۂ نظر سے تحقیق و تجزیہ اور آزادئ صحافت کا ایک لازوال کردار تھے ۔ ان کا دماغ مسلمانوں کی بہتری اور فلاح کی سوچتا تھا، دل لوگوں کے دکھ درد پر تڑپتا تھا، دانش امت کے بہترین مستقبل کا سوچتی تھی ۔ اور اپنی دانست کے مطابق جسے حق اور صواب سمجھتے برملا کہدیتے تھے ۔ اپنے مشن میں مخلص تھے اسی اخلاص نے ان کے پرچہ کو قلیل ترین مدت میں ملک کے جرائد میں ایک ممتاز ترین مقام دلادیا تھا، مرحوم کو جہادِ افغانستان کے حوالے سے جنرل محمد ضیاء الحق اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بے حد محبت تھی ۔ حضرت شیخ الحدیث رحؒ کے سانحۂ ارتحال پر اپنی اداراتی تحریر میں انہوں نے لکھا تھا کہ ۔

> "صدر ضیاء الحق کی جہادِ افغانستان کی سرپرستی تو معروف اور متعارف تھی لیکن جہادِ افغانستان کی انگیخت میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحؒ کی ذات گرامی نے پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر دارالعلوم حقانیہ کی تاسیس کر کے جو شمع ہدایت روشن کی تھی اس کی تنویر

سے افغانستان کے بہت ذہن بھی منور ہوئے .... اسی جذبۂ جہاد سے سرشار مولانا عبدالحق ؒ کے تلامذہ اور دارالعلوم حقانیہ کے بہت سے فارغ التحصیل علماء نے افغانستان میں اسلامی فکر کی اشاعت و ترویج کی تحریک برپا کی۔ افغانستان میں سینکڑوں جام شہادت نوش کرنے یا یا دادِ شجاعت دینے والے مجاہدوں اور کمانڈروں کا تعلق دارالعلوم حقانیہ سے ہی ہے۔ مولانا عبدالحق کا دارالعلوم حقانیہ جہاد کے جذبۂ خالص کی کان ہے......"

(تکبیر ۲۲ ستمبر ۱۹۸۸ء)

بہرحال مرحوم کا سانحۂ قتل سفاکی بہیمیت اور درندگی کی ایک شرمناک مثال ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ ہم اسے ایک قومی، دینی اور اسلامی صحافت کا عظیم سانحہ سمجھتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ باری تعالٰے مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے ورثاء و متعلقین کو صبر جمیل عطاء فرماوے۔

(عبدالقیوم حقانی)

مسلمانانِ ملت سے اپیل

تمام مسلمانوں، اہل دین، اہل علم اور زعماء قوم سے اپیل ہے کہ ملاکنڈ اور باجوڑ ایجنسی میں جاری نفاذِ شریعت کی جدوجہد میں مجاہدین کی حمایت سرپرستی اور اخلاقی تعاون جاری رکھیں۔ اگر خدانخواستہ نفاذِ شریعت کی یہ تحریک کچل دی گئی تو آئیندہ جہاد اور اسلامی انقلاب کا کوئی نام لینے والا نہ رہے گا۔ دین و شریعت اور نفاذِ اسلام کی جدوجہد تمام امت کا مشترکہ پلیٹ فارم ہے تمام مسلمانوں کو اس پر اجتماع و اتحاد کی دعوت ہے۔

عبداللہ اظہر : دارالعلوم رحمانیہ درگئی ملاکنڈ ایجنسی۔

نظامِ اکل و شرب میں شریعت کی رہنمائی

امام ترمذیؒ کی جامع السنن کے کتاب الاطعمہ کے احادیث کی روشنی میں

میٹھی چیزوں کا استعمال، سالن کے بارے میں ہدایات اور پڑوسی کے حقوق

باب ما جا فی حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحلواء والعسل

عن عائشۃؓ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحب الحلواء والعسل۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حلواء (میٹھی چیزوں) اور شہد کو بہت پسند کرتے تھے۔

میٹھی اشیاء سے رغبت عین فطرت ہے

کھانے پینے میں میٹھی چیز کھانا بھی مستحسن ہے، میٹھی اشیاء کے استعمال سے محبت عینِ فطرت ہے جس انسان کی فطرت مسخ نہیں اور اس کے اَخلاطِ اربعہ صحیح ہیں اور مزاج و اَخلاط پر امراض کا غلبہ نہیں ہے جسم صحیح ہے، صحت درست ہے۔ مزاج میں اعتدال ہے تو یہ فطرت کا تقاضا ہے کہ اسے میٹھی چیز سے رغبت ہو گی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحت مند تھے ان کے بدن مبارک کے اجزاء و اخلاط اعتدال پر تھے قویٰ مضبوط تھے تو انہیں بھی میٹھی چیز سے رغبت تھی۔ العیاذ باللہ یہ حرص یا بسیار خوری یا لذت پسندی نہیں تھی بلکہ یہ عین فطرتِ صحیحہ کا تقاضا ہے۔

حلواء کے مصداق میں عموم ہے

الحلواء سے مراد صرف موجودہ دور کی مروجہ مٹھائیاں ہی نہیں ہیں جو پاک و ہند یا دوسرے ممالک میں استعمال کی

جاتی ہیں اور نہ ہی صرف ہمارے علاقوں کے مروجہ حلوہ جات ہیں بلکہ حلوار کا معنی عام ہے یعنی میٹھی چیز کا استعمال المراد به کل شیٔ حلو، کھجور، شکر، کھیر وغیرہ سب حلوار میں داخل ہیں مختلف اشیاء کو جمع کر کے ایک مرکب میٹھی چیز کا نام ہی حلوہ ہے اس لحاظ سے جو مختلف اوطان، علاقوں اور ممالک میں مرکب میٹھی چیزیں بنائی جاتی ہیں، سب حلوار کا مصداق ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دودھ، کھجور اور دیگر متعدد اشیاء کو ملا کر ایک مرکب میٹھی چیز بنائی جاتی تھی جسے **حلواء** کہتے تھے۔ بعض اوقات اس میں عسل (شہد) بھی استعمال کیا تھا۔

سب سے پہلے آٹے، شہد اور گھی کا حلوار حضرۃ عثمان رضؓ نے حضورؐ کو کھلایا تھا۔

محدثین نے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ نے حلوار بنا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا اور آپؐ نے اسے پسند بھی فرمایا۔ یہ حلوار آٹے، شہد اور گھی سے بنایا گیا تھا اس زمانے میں گڑ یا چینی اور شکر وغیرہ کا استعمال اس قدر عام نہ تھا اس لیے میٹھی چیز عموماً شہد یا کھجور سے بنائی جاتی تھی۔

شہد

شہد (عسل) بذاتِ خود بھی میٹھی چیز ہے اور حلوار کا مصداق ہے۔ حدیث میں اسکا ذکر تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے ہے۔ یعنی اولاً تو حلوار کا ذکر کیا جو ایک عام لفظ ہے اور جس کے حکم میں شہد بھی داخل ہے لیکن پھر بعد میں خاص طور پر شہد کو بھی ذکر فرمایا۔ مگر حدیث میں اس کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کی اہمیت، بہترین طبی صلاحیت اور عظمت و شرافت مزید واضح ہو جائے۔ وذکر العسل بعدها تنبیها علی شرافته ومزیته۔ امام نوویؒ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

عوام کی ایک پھبتی کا جواب

باقی رہی عوام کی طرف سے علماء پر یہ پھبتی کہ مولوی حضرات حلواء زیادہ کھاتے ہیں مگر اس میں قباحت کیا ہے یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور عینِ فطرت ہے مگر عملاً جو صورت حال ہے وہ آپ سب جانتے ہیں، جتنے حلوے، مروجہ مٹھائیاں حرص و طمع اور جس وارفتگی سے یہ معترضین کھاتے اور اس پر پکتے ہیں مولوی حضرات میں اس کی ادنیٰ جھلک بھی نہیں۔

حلوار سے رغبت کا صحیح مطلب

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحب الحلواء۔ اس سلسلہ میں ایک گذارش یہ بھی ملحوظ رہے جیسا کہ امام خطابیؒ نے یہی فرمایا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا میٹھی چیز کو پسند کرنا ایسا نہ تھا کہ بس وہ اسی کی تمنا حصول اور اسی کے استعمال کا اہتمام کرتے تھے اور نہ یہ بات تھی کہ آپ اکثر و بیشتر میٹھی چیز کھانا پسند

فرماتے تھے بلکہ یحب الحلواء کا مطلب محض یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دستر خوان پر میٹھی چیز آجاتی تو آپؐ اس کو بھی اتنی رغبت سے تناول فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ یہ بھی آپؐ کو بہت پسند ہے۔ وقال الخطابی لم یکن حبہ صلی اللہ علیہ وسلم لہا علی معنی کثرۃ التشھی لہا وشدۃ نزاع النفس الیہا انما کان ینال منہا اذا حضرت الیہ نیلاً صالحاً فیعلم بذلک انہا تعجبہ

باب ماجاء فی اکثار المرقۃ

عن علقمۃ بن عبد اللہ المزنی عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اشتری احدکم لحماً فیکثر مرقتہ فان لم یجد لحماً اصابہ مرقہ وھو احد اللحمین۔

عن ابی ذرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحقرن احدکم شیاءً من المعروف وان لم یجد فلیلق اخاہ بوجہ طلیق واذا اشتریت لحماً اوطبخت قدرا فاکثر مرقتہ اواغرف لجارک منہ۔

حضرت علقمہ بن عبد اللہ المزنی رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص گوشت خریدے (یعنی) گوشت پکانے کا ارادہ کرے تو اس میں شوربہ زیادہ رکھے اب اگر گوشت نہیں ملتا تو شوربہ لے لیگا شوربہ دو گوشتوں میں سے ایک گوشت ہے۔

حضرت ابوذر رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی بھلائی کے کسی حصہ اور کسی جزو کو بھی حقیر نہ سمجھے اگر اس سے کچھ نہ ہو سکے تو یہی کرے کہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملے اور جب تم گوشت خریدو اور پکاؤ تو شوربہ بہت رکھو اور اس میں اپنے پڑوسی کو بھی (کم از کم) چلو (بھر) دیدو۔

سالن پکاتے وقت شوربہ میں زیادتی کی ترغیب آداب طعام میں سے یہ بھی ہے کہ سالن اور گوشت کا شوربہ زیادہ بنایا جائے۔ مرقہ

گوشت پکاکر اس کے سالن یا شوربہ کو کہتے ہیں یخنی وغیرہ بھی اس کا مصداق ہیں۔

اذا اشتریٰ احدکم لحماً، یعنی جب تم میں سے کوئی شخص گوشت خریدے تاکہ اسے پکاکر کھائے حدیث میں ذکر خریدنے کا ہے مگر مراد حصول ہے، خرید کر حاصل کرے یا اپنی چیز ذبح کرے یا دونوں سے حاصل کرے اسے بہرحال فلیکثر مرقتہ شوربہ میں زیادتی کرنی چاہیئے اور کھانے والوں کو اگر گوشت نہ ملے تو اس کا شوربا بھی کافی ہے کہ اصل سالن تو یہی ہے کہ اس میں گوشت کے اصل اجزاء اور جوہر کشید کر لیا گیا ہے یہ احد اللحمین ہے لان دسم اللحم یتحلل فیہ فیقوم مقام اللحم فی التغذی والنفع ایک گوشت تو بظاہر ہے کہ اس کی بوٹیاں ہیں مگر دوسرا گوشت اس کا جوہر اور حقیقی اجزاء ہیں جو شوربے یا سالن میں موجود ہیں۔

ماء اللحم یہ ماء اللحم ہی اصل گوشت ہے اور بڑی قیمتی چیز ہے مختلف ادارے ہمدرد وغیرہ اس ماء اللحم کو علیحدہ تیار کر کے تقسیم کرتے ہیں۔

آج حکیم اور ڈاکٹر جس ماء اللحم کو خصوصیت اور اہتمام کے ساتھ مریضوں کے لیے ضروری اور صحت کے استحکام کے لیے بطور معالجہ کے تجویز کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال قبل اس کی ضرورت واہمیت کو اجاگر فرمایا دیا تھا کہ صرف بھونے ہوئے گوشت اور نچوڑ دی گئی بوٹی پر اکتفا نہ کریں اور بہرصورت اس پر خوش نہ ہوں بلکہ بعض اوقات بھونا ہوا گوشت نقصان پہنچاتا ہے، معدہ اور ہاضمہ کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اور اگر اس گوشت کے اصل جواہر یخنی، شوربہ یا ماء اللحم کو استعمال کیا جائے تو وہ زیادہ نافع اور صحت کے لیے زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے۔

انسانی ہمدردی اور مواسات کا درس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس ارشاد میں مواسات، انسانی ہمدردی، مروت اور عمدہ اخلاق اور فیاضی کا سبق دینا چاہتے ہیں محبت اور ایک دوسرے سے ہمدردی و غم خوری پیدا کرنا مقصد ہے کہ اہل ثروت لوگ، غرباء و مساکین اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ امداد کی عادت اپنائیں۔ مہمانوں، پڑوسیوں اور فقراء و مساکین کے ساتھ یہ ہمدردی تب ہو سکے گی جب ہانڈی میں سالن زیادہ ہوگا مرقہ شوربہ پہلے سے زیادہ تیار کیا گیا ہو تو آنے والے مہمان، بھوکے پڑوسی اور غرباء و مساکین کی خبر گیری میں سہولت رہتی ہے۔

عرب اور اسی طرح ہمارے علاقوں کے روایات میں دیگر بہت سی اشیاء کی طرح سالن اور شوربا زیادہ بنانے میں بھی مماثلت ہے ان کے دل کھلے ہوتے ہیں، مہمان آئے، فقراء اور مساکین کی ضرورت

ہو یا پڑوسیوں کے ساتھ تعاون، جب سالن پہلے سے زیادہ ہوتا ہے تو وہ کھلے دل سے حسب ضرورت خدمت کر لیتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تلقین کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آپ پڑوسی، فقیر اور مسکین کو ایک دو چمچ سالن دے دیا کریں جیسا کہ باب ہذا کی دوسری حدیث میں و اغرف لجارک کے الفاظ آئے ہیں اس سے انسانی ہمدردی، باہمی محبت و مروت اور انسانی معاشرت کی تشکیل میں مدد ملے گی۔

محمد بن فضا، راوی حدیث

ومحمد بن فضا وهو المعبّر یعنی وہ خوابوں کی تعبیر کے ماہر تھے بعض حضرات کو اللہ پاک تعبیر الرویا کا ملکہ اور علم مہارت عطا فرماتے ہیں۔ خوابوں کی تعبیر کے لیے بھی ذہانت، صلاحیت، دیدہ ریزی، تعمق اور تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن کی آیت، حدیثِ رسول اور احوال و شواہد سے استنباط کرنا پڑتا ہے۔ محمد بن فضارؒ بھی علامہ ابن سیرینؒ کی طرح خوابوں کے معبر ہیں وہ علم تعبیر الرؤیا کے امام تھے اور اسی علم و فن کی وجہ سے ان کی عظمت و شہرت ہے، ان کی مشہور کتاب کا نام تعبیر المنام ہے اور اس کی ایک بڑی اور جامع شرح بھی لکھی گئی ہے۔ جس کا نام تا ثیر ادنا مر فی تعبیر المنام ہے۔

تعبیر الرویا باعثِ تنقید ہے

تعبیر الرویا کے لیے بھی قواعد ہیں ضوابط ہیں مگر زیادہ مدار اس کا عقلیات پر ہے فکری اور ذہنی کاوشوں سے کام لینا پڑتا ہے لہٰذا ان پر اسی وجہ سے تنقید بھی کی گئی ہے

وقد تکلم سلیمان بن حرب یعنی سلیمان بن حرب نے اُن کے بارے میں کچھ جرح کی ہے گفتگو کی ہے اور وہ بھی ہو گی کہ انہوں نے اسے معبّر قرار دیا ہے جیسا کہ ابن جنیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے جب ابن معینؒ سے کہا کہ محمد بن فضارؒ خوابوں کی تعبیر بتایا کرتے تھے تو انہوں نے فرمایا نعم وحدیثه مثل تعبیره جی ہاں! ان کی حدیث بھی ان کے تعبیرِ خواب کے مانند ہوا کرتی تھی۔

قبولِ حدیث میں محدثین کا حزم و احتیاط

محدثین حضرات کا قبولِ حدیث اور استنباط میں بڑے جامع اصول اور بہت بلند معیار ہے آپ جانتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے یک جید عالم معروف محدث اور مسلّم بزرگ کی روایت اس لیے مسترد کر دی تھی کہ انہوں نے اپنے گھوڑے کو چارہ دینے کے انداز میں مگر خالی دامن دکھا کر بلایا تھا اور ایک

حیوان کے ساتھ دھوکہ کی صورت اختیار کی تھی

لہٰذا سلیمان بن حرب نے بھی محمد بن فضیلؒ میں ان کے معتبر خواب ہونے کے پیشِ نظر تکلم کیا ہے معبرین تو خیالات واجتہادات سے کام لیتے ہیں عقلیات پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ اس لیے حدیث میں بھی ان سے بے احتیاطی ہو سکتی ہے۔

ادنیٰ سے ادنیٰ معروف کے اپنانے کی ترغیب

لا یحقرن احدکم شیئاً من المعروف حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کسی بھی نیکی اور بھلائی کے کسی جزو اور ادنیٰ سے ادنیٰ حصہ کو بھی کم نہ سمجھو جو بھی ہو سکے نیکی کا اقدام کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اتقوا النار ولو بشق تمرۃ۔ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اگرچہ وہ آدھی کھجور کے صدقہ سے کیوں نہ ہو۔

معروف کسے کہتے ہیں

معروف کو اللہ تعالےٰ ملحوظ رکھتے ہیں اس کی قدر کرتے ہیں بظاہر نیکی چھوٹی اور معروف کم ہے معمولی ہے مگر خدا کی بارگاہ میں بہت بڑی ہے۔ معروف ہر وہ نیکی بھلائی اور عمل و اقدام مراد ہے جسے قرآن و حدیث اور سلفِ صالحین نے اختیار کیا ہے اللہ کی عبادت، رسولؐ کی اطاعت، لوگوں کے ساتھ احسان و حسنِ خلق، اہل اللہ کی محبت، صدقہ و خیرات، سلام میں سبقت اور خندہ جبینی سب معروفات کے قبیل سے ہیں فلیلق اخاہ بوجہ طلیق، طلیق خندہ جبینی اور بشاشت کو کہتے ہیں جو عبوس یعنی ترشروئی کی ضد ہے اس سے مسلمان کا دل خوش ہوتا ہے مخاطب کو مسرت حاصل ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کا دل خوش کرنا ایک بہت بڑی نیکی ہے مگر اس کو حقیر نہ سمجھا جائے۔ آج ایک پیسہ دینا، معمولی چیز دینا، خدا کی راہ میں لوگ عار محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ عار کی بات نہیں ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جتنی بھی توفیق ہو اللہ پاک کی راہ میں دے دیا کرو۔ اللہ تعالےٰ کے بینک میں وہ ایک روپیہ کروڑ ہا روپے سے بدل جاتا ہے۔

چھوٹی سی نیکی نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے

جب جہنم گنہگار کو اپنے گھیرے میں لیلے گی اور اس کے شعلے آگے بڑھیں گے تو اس گنہ گار اور جہنم کے شعلوں کے درمیان پہاڑ حائل ہو جائیں گے یہ شخص حیران ہوگا کہ یہ کون سا پہاڑ ہے جو درمیان میں حائل ہو گیا ہے اور مجھے جہنم کے شعلوں سے بچاتا ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تم نے خدا کی راہ میں آدھی کھجور دی تھی، اخلاص کے ساتھ خدا تعالےٰ اس کی حفاظت فرماتے رہے اور وہی بارگاہِ ربوبیت

ہیں بڑھتی رہی اور آج وہ پہاڑ کے مانند بن گئی اور اسی کی وجہ سے آج جہنم سے تمہاری حفاظت ونجات کا انتظام کیا گیا ہے اسی لیے فرمایا گیا اتقوا النار ولو بشق تمرۃ ۔

کسی گناہ کو بھی معمولی نہ سمجھو

جس طرح آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد پڑھا کہ ۔ لا یحقرن احدکم شیئاً من المعروف ، یعنی معمولی نیکی کو معمولی نہ سمجھو، اسی طرح گناہ کو بھی معمولی اور چھوٹا نہ سمجھو، بطور مثال ، دارالعلوم میں پانی کی ٹوٹی کھلی ہوتی ہے۔ پانی ضائع ہو رہا ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں ، مگر بند نہیں کرتے ، تو یہ بھی گناہ ہے ۔ بظاہر معمولی ہے مگر حقیقت میں معمولی نہیں ۔ راستہ میں پتھر پڑا ہے کانٹے پڑے ہیں یہی اماطۃ الاذیٰ عن الطریق ہے ۔ جس کا حدیث میں ذکر آیا ہے ، ہر وہ چیز جو راستے میں لوگوں کی ایذاء اور تکلیف کا سبب بنے راستے سے ہٹانا اماطۃ الاذیٰ عن الطریق ہے ۔

طلبۂ مدارس کو خصوصی تنبیہ

مثلاً آپ دارالعلوم میں ہیں یہ ایک اسلامی ریاست ہے یہ آپ کا اپنا شہرِ علم ہے ، لہٰذا اگر ایک جگہ بلب جل رہا ہے اور اس کی ضرورت نہیں ہے تو اس کو بند کر دو، یہ مدارس تو سب کی متاعِ مشترک ہے یہ بیت المال ہے ایک منٹ بھی اگر بلا ضرورت بلب روشن رہا تو سب کا نقصان ہوا اور بیت المال میں خیانت ہوئی ، اپنے کمرہ میں تو صفائی کر دی مگر کوڑا کرکٹ کمرے کے سامنے برآمدے میں ڈال دیا تو یہ بھی ایذاء مسلم ہے تو برآمدے کی بھی صفائی کرنی چاہیئے ، اب یہاں دارالعلوم حقانیہ میں طلبہ کی سہولت کے لیے کوڑا کرکٹ ڈالنے کیلئے ڈرم رکھے گئے ہیں تو گندگی ان میں ڈال دی جانی چاہیئے بظاہر یہ چھوٹی چیزیں ہیں اور معمولی اعمال ہیں مگر خدا کی بارگاہ میں اجر و ثواب کے لحاظ سے بلند درجہ رکھتی ہیں ۔

کاغذ کا احترام

راستے میں کاغذ پڑے ہوتے ہیں جن پر کچھ لکھا یا چھپا ہوتا ہے ، لوگ کہتے ہیں کاغذ ہے حقیر سی چیز ہے پاؤں تلے روندتے ہیں مگر خیال رکھنا چاہیئے ان پر تو اللہ کا نام لکھا ہوتا ہے ۔ قرآنی قاعدہ کے حروف تہجی سے مرکب الفاظ ہوتے ہیں ۔ اب کاغذ اٹھانے اس کی حفاظت کرتے اور اس کا احترام کرنے کو معمولی اور حقیر نیکی نہ سمجھو اسے اٹھا لو اور ادب واحترام سے محفوظ مقام میں رکھ لو ، اوروں کی بات تو اپنی جگہ ، احترام تو بہر حال سب کو کرنا چاہیئے ، مگر طلبہ اور اہل علم جن کا شب و روز کا کام کاغذ سے ہے قلم سے ہے ، علم سے ہے ، انہیں تو اوروں سے زیادہ کاغذ کا احترام کرنا چاہیئے ، کہ کاغذ تو علم کا ذریعہ بھی ہے ۔ کچھ بدنصیب لوگ ایسے بھی ہیں جو اخبارات کے کاغذات سے استنجاء تک کرنے کی جرأت کر لیتے ہیں ———

فانا للہ وانا الیہ راجعون ، یہ کتنی بدنصیبی اور جہالت ہے۔

سویا تو کُردی تھا جب اٹھا تو عربی تھا

ایک جاہل گنوار شخص نے جو کردی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا کاغذ پایا ، اس کو ادب سے اٹھایا احترام کیا اور اس کے بے جا گرے پڑے ہونے کی وجہ سے رویا کہ کہیں خدا تعالی کی ناراضگی کا سبب نہ بن جائے ، اللہ کا عذاب نازل نہ ہو ، کاغذ کو اٹھایا خوشبو لگائی اور احترام کی جگہ پر رکھدیا اور اسی غم میں سوگیا ، صبح اٹھا تو فصیح عربی پر قادر تھا عالم دین اور علامہ بن چکا تھا علم لدنی حاصل تھا یہ معروف واقعہ ہے کہ امسیت کردیاً واصبحت عربیاً ، جب میں رات کو سونے لگا تو جاہل گنوار اور کردی قبیلہ کا ایک فرد تھا جب اٹھا تو عربی تھا۔

بہرحال علم کے برکات تب حاصل ہوں گے جب استاذ ، کتاب ، اور علم ، قلم و دوات ، مدرسہ اور معمولی معمولی نیکیوں کی قدر کرنے اور ان کو انجام دینے کی فکر ہوگی ۔

مادر علمی کا احترام

ایک مدرسہ بھی طلبہ کے لیے بمنزلہ کتاب کے ہوتا ہے ، ہمارے اکابر تو اساتذہ کے گھروں ، مادر علمی یعنی مدارس کی طرف پاؤں پھیلا کر نہیں سوتے تھے ، فرماتے تھے کہ یہ ہمارے لیے علمی قبلہ ہیں ۔ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مدنیؒ نے علم دین کی بلند رفعتیں حاصل کیں تو اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ ادنیٰ ادنیٰ نیکیوں کو عظیم اجر و ثواب سمجھ کر عملاً اپنا لیا کرتے تھے ، وہ اپنی درسگاہوں کا بھی اتنا ہی احترام کرتے تھے ۔ جتنا کہ وہ کتاب کا احترام کرتے تھے ۔ اب بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو سلف صالحین کا نمونہ ہیں ۔ دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فضلاء ، جید علماء اور اکابر ہیں مگر جب دارالعلوم میں آتے ہیں تو دور سے جوتے اُتار لیتے ہیں ۔ بہرحال ان احترامات اور آداب واخلاق اور اخلاص سے علم کی برکتیں حاصل ہوتی ہیں ۔ اگر مطالعہ کم ہو ، ریاضت و مجاہدہ نہ ہو ذکاوت نہ ہو ادب ہو تو روحانیت اور فیوض و برکات کا کنکشن لگ جاتا ہے ، اور فیض پھیلتا ہے تو یہ چیزیں ادب سے آتی ہیں ۔

ایک مکھی کو سیاہی چوسنے کا موقع دیا تو نجات مل گئی

لا یحقرن احد بظاہر تو حدیث کا ایک جملہ ہے مگر اس میں علم وادب اور معارف و معانی کا سمندر ہے ، اور یہ جوامع الکلم میں سے ہے ، معمولی نیکی بظاہر معمولی ہوتی ہے مگر جب خدا کے لیے ہو تو نجات کا سبب بن جاتی ہے غالباً حضرت امام غزالیؒ کا واقعہ ہے ، کتنے بڑے آدمی ہیں کتنا علم ، کتنے عظیم تصنیفات کس قدر علوم و معارف کا خزانہ ، خواب میں کسی نے دیکھا ، پوچھا کہ

نجات کیسے ہوئی فرمایا کتابیں تصنیفات علمی کارنامے کچھ بھی کام نہ آئے، ایک روز کتابت کر رہا تھا کہ ایک مکھی قلم کی قط زنیبہ پر آکر بیٹھ گئی میں نے اپنا ہاتھ لکھنے سے روک دیا تاکہ مکھی اطمینان سے سیاہی چوس کر اپنی پیاس بجھا سکے، خدا تعالٰی نے اس ایک نیکی کی وجہ سے میری مغفرت فرما دی۔

گناہ ایک خطرناک دشمن

اسی طرح حدیث کا مضمون ہے کہ مومن کے لیے معمولی سا گناہ بھی جبل احد کے نیچے آنے سے کمتر نہیں ہوتا، گناہ اسے اس طرح کا عذاب لگتا ہے کہ گویا دو پہاڑوں کے درمیان میں پھنس کر دلتا رہے یا سیاچین گلیشیر کی پہاڑیوں سے گر رہا ہے اور جسے گناہوں سے رغبت اور عادت ہو جائے اس کے لیے گناہ کی مثال مکھی کی ہے کہ ناک پر بیٹھی اور اڑا دی۔

بخشش کرنے والے اور لینے والے کے لیے ہدایات

حدیث کا ایک معنیٰ یہ بھی کیا گیا ہے کہ موھوب لہ (جس کو ھبہ اور بخشش کے طور پر کوئی چیز دی جائے) کو کہتے ہیں اب اس حدیث میں واھب (عطیہ دینے اور بخشش کرنے والے) سے کہا جا رہا ہے کہ آپ کے پاس اگر زیادہ خزانے نہیں۔ مال کی وسعت نہیں ہے تو ایک روپیہ یا دو روپے پانی کا گلاس، کھجور کا دانہ اس کا صدقہ کرنا بھی معمولی نہ سمجھو۔ جو میسر ہے دیدو اسی طرح موھوب لہ (جس کو دیا جا رہا ہے) سے بھی کہا گیا ہے کہ جو چیز تمہیں دے دی گئی ہے اس سے اعراض و استنکار نہ کرو، اسے خدا کی نعمت اور غنیمت سمجھو، ایک غریب شخص نے جو چیز بھی محبت کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کر دی ہے، اس پر خدا کا شکر ادا کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا، غرباء مساکین، کاریگروں اور مزدوروں کی روکھی سوکھی دعوت کو قبول فرما لیا کرتے تھے تو مراد یہ ہوئی کہ وان لم یجد الواھب، فلیلق اخاک بوجہ طلیق یعنی اگر واہب کے پاس دینے کے لیے کچھ نہیں ہے تو سائل کو خندہ جبینی سے رخصت کرنا چاہیئے۔ اور معقول عذر کر دینا چاہیئے۔

وان لم یجد الموھوب لہ یعنی جب موھوب لہ، واھب یعنی معطی کا بدلہ نہیں دے سکتا اور اس کا عملی شکریہ نہیں ادا کر سکتا ھل جزاء الاحسان الا الاحسان کی صورت میں عملاً کوئی چیز تحفہ میں نہیں دے سکتا تو واہب کے لیے محبت اور بشاشت سے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے اس کے لیے دعا کرے، جزاک اللہ کہدے، یہ بھی ایک صدقہ ہے۔

پڑوسی کے حقوق کی تاکید

حدیث کے الفاظ میں معروفات کو معمولات میں لانے کے ساتھ ساتھ پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی کی ترغیب بھی ہے کہ سالن پکاتے

(بقیہ صـ۴۲ پر)

مولانا شہاب الدین ندوی

قرآن حکیم اور نظام کائنات

فطرت و شریعت میں کامل موافقت کا حیرت انگیز نظارہ

قرآن تاریخ یا فلسفہ یا سائنس کی کتاب نہیں ہے، مگر اس کے باوجود اس میں تاریخ بھی ہے اور فلسفہ
وسائنس بھی۔ یہ اور بات ہے کہ ان علوم وفنون میں اُس کا انداز بیان تاریخی یا فلسفیانہ یا سائنسی نہیں، بلکہ
اُس کا بنیادی نقطۂ نظر عبرت وبصیرت کا حصول ہے۔ یعنی انسان کو ان علوم وفنون میں ودیعت شدہ اسباق
وبصائر کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے جو اُسے خدا پرستی کی طرف لے جانے والے اور بغاوت وسرکشی
سے باز رکھنے والے ہوں، یہ بھی قرآن حکیم کی ہدایت ورہنمائی ہی کا ایک پہلو ہے جو انسان کی عقلی و
فکری حیثیت سے صحیح رہنمائی کے لیے ضروری ہے۔ چنانچہ کتاب الٰہی جس طرح شرعی اعتبار سے ایک
ضابطۂ حیات ہے اسی طرح وہ فکری ونظریاتی اعتبار سے بھی انسان کے لیے ہادی ورہنما ہے جو انسان
کو فکر ونظر کی وادیوں میں بھٹکنے سے بچاتی ہے۔ اس طرح وہ ہر اعتبار سے ایک کامل اور رہنما کتاب ہے
جو اُس کے مِن جانب اللہ ہونے کی بھی ایک قوی اور معقول دلیل ہے۔

صحیفۂ فطرت کے اشارے

قرآن حکیم چونکہ قیامت تک ہر دور کے لیے ایک رہنما کتاب ہے
اس لیے اس میں ہر دور کی ذہنیت کے مطابق خدا پرستی کے دلائل
سمو دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ اس میں عقلی ومنطقی دلائل بھی مذکور ہیں اور موجودہ دور کی رعایت سے
علمی وسائنسی دلائل بھی، جن کو قرآن کی اصطلاح میں "آیات" کہا گیا ہے۔ یعنی نظام فطرت کی وہ
نشانیاں یا اشارات (NATURAL SIGNS) جو انسان کی عبرت وبصیرت کے لیے مظاہر فطرت میں
خالقِ ارض وسما کی جانب سے ودیعت کردیئے گئے ہیں، تاکہ وہ نظام کائنات کی تحقیق وتفتیش کے
دوران کھل کر سامنے آسکیں اور انسان کو متنبہ اور خبردار کرسکیں۔ اس حیثیت سے مظاہر فطرت اور
اُن کے نظامات انسان کے لیے نشانہائے راہ کی حیثیت رکھتے ہیں تاکہ وہ صحیح رُخ پر اپنی زندگی کا
سفر کرسکے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ انسان کو زمین، آسمان، چاند، ستارے، دریا،

پہاڑ، نباتات، جمادات، حیوانات اور دنیا کی ہر چیز اور ہر مظہر فطرت میں غور و فکر کرنے اور ان کے نظاموں میں ودیعت شدہ اسباق و بصائر کا علمی و عقلی نقطۂ نظر سے کھوج لگانے کی دعوت دی گئی ہے بلکہ جگہ جگہ اسے جھنجوڑا گیا ہے کہ وہ فطرت (NATURE) کے نظاموں سے حاصل ہونے والے منطقی نتائج سے اعراض نہ کرے جو ایک خلّاق اور برتر ہستی کی موجودگی کا اتہ پتہ بتا رہے ہیں اور ایک عظیم ترین منتظم و کارساز کے وجود کی خبر دے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ کہتا ہے۔

وَفِی الْاَرْضِ .... اور یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں بہت سی نشانیاں (نظام فطرت کے دلائل) موجود ہیں اور خود تمہارے انفس (جسمانی نظاموں) میں بھی۔ تو کیا تم کو نظر نہیں آتا (کہ یہ حیرت انگیز نظامات بغیر کسی خالق و مدبر کے کسی طرح جاری و ساری رہ سکتے ہیں؟)

(ذاریات : ۲۰ - ۲۱)

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ .... رات اور دن کے اختلاف میں اور زمین و اجرام سماوی میں اللہ نے جو چیزیں پیدا کر رکھی ہیں ان (سب) میں ڈرنے والوں کے لیے (خدا کے وجود اور اُس کی وحدانیت کی) نشانیاں (نشانہائے فطرت) موجود ہیں (یونس : ۶)

وَفِی خَلْقِکُمْ .... تمہاری تخلیق میں اور جو کچھ اُس نے (کرۂ ارض پر) جاندار پھیلا رکھے ہیں ان (سب) میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں (طبیعی و حیاتیاتی دلائل) رکھ دیئے گئے ہیں۔ (جاثیہ : ۴)

ان تمام مقامات میں لفظ "آیات" استعمال کیا گیا ہے جو "آیت" کی جمع ہے۔ اور اس سے مراد وہ علامات قدرت ہیں جو صحیفۂ فطرت میں اس طرح سمو دیئے گئے ہیں کہ جب کبھی مظاہر فطرت (مادی اشیاء) اور اُن کے نظاموں میں تحقیق و تفتیش کی جاتی ہے تو وہ منطقی دلائل و براہین کے روپ میں اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ جو خدا کی وحدانیت اور اُس کی قدرت و ربوبیت کا اثبات کرنے والے ہوتے ہیں گویا کہ یہ صحیفۂ کائنات ایک کھلی کتاب ہے جس میں ایک خلّاق اور برتر ہستی کے نقوش ثبت کر دیئے گئے ہیں۔

دین الٰہی کی تین بنیادیں

ہدایت کا مفہوم فکری و شرعی حیثیت سے انسان کی صحیح رہنمائی یا خدا پرستانہ زندگی کی تفصیل ہے۔ اور اس کی تین اہم ترین بنیادیں ہیں جن پر دین الٰہی کی تعمیر ہوتی ہے۔ اور وہ ہیں توحید، رسالت اور یوم آخرت۔ یہ اسلام کے عقائد کا خلاصہ یا اُس کی اساسیات ہیں، جو تمام انبیائے کرام کی دعوت کا لُبّ لباب ہے۔ توحید، رسالت اور

یوم آخرت کے تصورات چونکہ خدا پرستی کے اہم ترین ستون ہیں، جن کو ثابت کیے بغیر خدا پرستی کا اثبات نہیں ہوتا، اس لیے ان حقیقتوں کو ثابت کرنے کے لیے قرآن میں عقلی و منطقی اور سائنٹفک ہر قسم کے دلائل بیان کیے گئے ہیں۔

قرآن مجید چونکہ قیامت تک تمام ادوار کے لیے ایک دائمی صحیفۂ ہدایت ہے اس لئے اس میں ہر دور کی ذہنیت کے لحاظ سے علمی و سائنٹفک دلائل رکھ دیئے گئے ہیں، تاکہ توحید، رسالت اور دوبارہ جی اٹھنے کے تعلق سے جو بھی شکوک و شبہات انسان کے ذہن و دماغ میں پیدا ہوں ان کا معقول اور تسلی بخش جواب دیا جا سکے۔ گویا کہ اسے مستقبل کے علوم و مسائل کے تعلق سے کیل کانٹے سے پوری طرح لیس کر دیا گیا ہے، تاکہ وہ پوری نوع انسانی کی رہنمائی کا باعث بن سکے۔ اسی بنا پر اس میں تکوینی (نیچرل) علوم و مسائل کا بھی تذکرہ موجود ہے، جس کی عصر جدید میں بڑی اہمیت ہے اور اس اعتبار سے فطرت و شریعت میں کسی قسم کا تعارض و تضاد نہیں ہے۔ بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے ہمنوا ہیں قرآن حکیم نظام کائنات سے بحث و استدلال کر کے انسان پر حجت قائم کرتا ہے جو اس کے کامل ضابطۂ حیات ہونے کی بھی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ ورنہ دیگر مذاہب کے صحیفے اس قسم کے طرز فکر اور طرز استدلال سے بالکل خالی ہیں۔

فطرت و شریعت میں مطابقت

غرض اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں دو قسم کے قوانین جاری کیے ہیں۔ ایک دینی و شرعی اور دوسرے طبیعی و فطری۔ قرآن اصلاً شرعی قوانین کی کتاب ہے مگر ضمناً اس میں کائناتی حقائق سے بھی بحث کی گئی ہے مگر اس سلسلے میں خلّاق فطرت کی عجیب و غریب منصوبہ بندی یہ ہے کہ طبیعی (نیچرل) قوانین کی تحقیق خود انسان کر کے شرعی قوانین کی تصدیق و تائید کرتا ہے۔

اس موقع پر یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیئے کہ جس طرح خالق کائنات نے انسان کے لیے ایک شرعی ضابطہ مقرر کیا ہے بالکل اسی طرح اس نے اس کائنات کا بھی ایک طبیعی نظام بنا رکھا ہے اور اس کے اصول و ضوابط پہلے ہی سے مقرر کر رکھے ہیں۔ جیسا کہ حسب ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے

وَخَلَقَ كُلَّ ...... اور اس نے (کائنات کی) ہر چیز پیدا کی پھر اس کا ایک (طبیعی) ضابطہ مقرر کیا۔ (فرقان: ۲)

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ .... ہم نے ہر چیز یقیناً ایک منصوبے کے ساتھ بنائی ہے۔ (قمر ۴۹)

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ .... وہ آسمان سے زمین تک (ہر) معاملہ کی تدبیر کرتا رہتا ہے (سجدہ ۵)

اس اعتبار سے انسان جیسے جیسے اپنے علم وتحقیق کے ذریعہ آگے بڑھتا اور کائنات کے حقائق کی کھوج کرتا ہے، ویسے ویسے خدائی کمالات (اسرار فطرت) اُس پر منکشف ہوتے جاتے ہیں، جو خلّاق فطرت کے مقرر کیے ہوتے ضوابط کی تصدیق وتائید کرتے ہیں اور اس طرح فطرت وشریعت میں کامل توافق وہم آہنگی نظر آتی ہے۔ واضح رہے سائنس صرف قدرت کے بھیدوں یا در اسرار ربوبیت" کو دریافت کرتی ہے، کسی چیز کو حقیقتاً" پیدا نہیں کرتی۔ اس کائنات کا خالق صرف ایک ہی ہستی ہے جس نے اسے نہائت درجہ باضابطہ بنایا ہے۔ اور اصول فطرت جب کبھی منظر عام پر آتے ہیں تو کتاب اللہ کا چہرہ بھی روشن ہوجاتا ہے، جس میں کائنات کے اہم اور بنیادی اصول بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اسی بنا پر ارشاد ہے

قُلْ اَنْزَلَهُ ...... کہدو کہ اس کتاب کو اُس نے اُتارا ہے جو ارض وسماوات کے (تمام) بھیدوں سے واقف ہے۔ (فرقان: ۶)

اَلَّا يَسْجُدُوْا ...... کیا یہ لوگ اُس برتر ہستی کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوں گے جو ارض وسماوات کی پوشیدہ چیزوں کو منظر عام پر لاتا ہے؟ (نمل: ۲۵)

قرآنی دعووں کی تصدیق

یہ ہے قرآن اور سائنس کے تعلق کی صحیح نوعیت کہ سائنسی علوم ومعارف کے ذریعہ (جو تحقیقات جدیدہ کی رُو سے منظر عام پر آتے ہیں) قرآنی دعووں کی تصدیق وتائید مقصود ہے۔ چنانچہ قرآن نے جو بھی دعوے کیے ہیں اُن کی تصدیق نظام فطرت میں موجود ہے۔ اسی بنا پر کتاب اللہ میں سینکڑوں مقامات پر صحیفۂ فطرت (نیچر) کے مطالعہ پر اُبھارتے ہوئے مظاہر کائنات (مادی اشیاء) میں غور وفکر کرنے اور ان میں کارفرما طبیعی، کیمیائی اور حیاتیاتی نظاموں کا مطالعہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اور سینکڑوں مقامات میں مختلف مظاہر (اشیائے کائنات) سے خدائے تعالیٰ کی وحدانیت، اُس کی خلّاقیت اور اُس کی ربوبیت والوہیت پر استدلال کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ ...... اور اُس کی نشانیوں (نظام فطرت کے دلائل) میں سے ہے یہ بات کہ اُس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تم (کامل) انسان بن کر (زمین پر) منتشر ہو رہے ہو۔ (روم: ۲۰)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ ...... اور اُس کی نشانیوں (علامات ربوبیت) میں سے ہے اجرام سماوی اور زمین کا پیدا کرنا اور تمھاری زبانوں اور رنگتوں کا مختلف ہونا۔ یقیناً" اس باب میں علم والوں کے لیے نشانیاں (اسباق وبصائر) موجود ہیں۔ (روم: ۲۲)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ ...... اور اُس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ہے اجرام سماوی اور زمین کا

بیدا کرنا اور ان دونوں (سلسلوں) میں جانداروں کا پھیلا دینا۔ (شوریٰ : ۲۹)

چنانچہ آپ اس مادی کائنات اور اس کے عجائبات میں جس حیثیت سے بھی غور و خوض کیجئے آپ کو ہر جگہ اور ہر چیز میں وجود باری اور اس کی پُر جلال ہستی کی کارفرمائیاں نظر آئیں گی جو اس کی خلاقیت و ربوبیت کا نشان دے رہی ہوں گی۔ خواہ آپ اجرام سماوی کا مطالعہ کریں یا ایک ننھے سے ایٹم کا یا پھر کرۂ ارضی کی انسانی اجسام اور ان کی رنگتوں کے اختلاف کا جائزہ لیں یا حیوانی و نباتاتی نظاموں کا مشاہدہ کریں، جمادات پر نظر ڈالیں یا کرۂ فضائی میں کارفرما ربوبیت کی کارگزاریوں کو دیکھیں، غرض طبیعی، کیمیائی، حیاتیاتی، ارضیاتی اور سماواتی کسی بھی نقطۂ نظر سے آپ اس کائنات میں جاری مادی نظاموں کا مطالعہ و مشاہدہ کیجئے ہر جگہ آپ کو نظم و ضبط، اعلیٰ درجے کی صناعی، فنی مہارت و کاریگری اور حیرتناک قسم کے ضوابط سے لیس ایک نفیس و بے داغ نظام نظر آئے گا جو انسانی عقل و دانش کے لیے مبہوت کن ہے۔ اور یہ نفیس و بے داغ نظام ایک اعلیٰ درجے کے انجینیر اور ایک اعلیٰ درجے کے مدبر و منتظم کے وجود کی خبر دے رہا ہے، جس کے بغیر یہ محیر العقول کائنات اپنے یکساں ضوابط کے ساتھ رواں دواں نہیں رہ سکتی اور جسے تسلیم کیے بغیر ان مادی مظاہر کی معقول توجیہہ نہیں ہو سکتی۔

غرض یہ عجائباتِ قدرت درحقیقت "معجزاتِ ربوبیت" ہیں جو انسان کی عبرت و بصیرت اور اس کی سبق آموزی کے لیے اس کے چاروں طرف بکھیر دیئے گئے ہیں، تاکہ وہ ایک خلاق اور پُرجلال ہستی کے وجود کا اعتراف کر سکے جو اس کا خالق و مالک اور رب والٰہ ہے اور اسی کے پاس اس کو لوٹ کر جانا ہے اس اعتبار سے قرآن اور سائنس میں کوئی تصادم یا جھگڑا نہیں ہے۔ کیونکہ سائنسی تحقیقات جو خالص علمی رنگ کی ہوں وہ قرآن حکیم کی مؤید و مصدق ہیں۔ اور جھگڑا جو کچھ بھی ہے وہ دین اور لا دینیت کے درمیان ہے۔ بالفاظ دیگر قرآن اور کائناتی حقائق ـــــ کے درمیان کوئی تعارض و تضاد نہیں بلکہ کائناتی حقائق کی مادہ پرستانہ نقطۂ نظر سے تشریح و تفہیم ضرور قابل اعتراض ہے جو اصل حقائق سے انحراف ہے۔ بہرحال سائنسی تحقیقات کے ذریعہ قرآنی بیانات اور اس کے دعووں پر کوئی آنچ نہیں آتی، بلکہ اس کا چہرہ مزید روشن ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ایک عجیب و غریب منصوبہ بندی ہے۔ گویا کہ انسان خود اپنی ہی تحقیق کے ذریعہ شرعی اصولوں کی تصدیق کرتا ہے، تاکہ اس کی اپنی تحقیق خود اپنے آپ پر حجت ثابت ہو سکے۔ اسی لیے ارشاد باری ہے۔

سَنُرِيهِم .... ہم ان منکرین کو عنقریب اپنی نشانیاں دکھا دیں گے ان کے چاروں طرف اور خود ان کی اپنی ہستیوں (ان کے جسمانی نظاموں) میں بھی تاآنکہ یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جائے

کہ یہ کلام برحق ہے (حم سجدہ : ۵۳)

مطالعہ فطرت کی اہمیت

خلاصۂ بحث یہ کہ قرآنی نقطۂ نظر سے مطالعۂ فطرت (نیچر) کی بڑی اہمیت ہے، جو اُس کے نظامِ دلائل سے تعلق رکھتا ہے۔ تاکہ قوانین فطرت کے ذریعہ توحید، رسالت اور یوم آخرت پر مؤثر انداز میں استدلال کیا جا سکے اور منکرین حق کو خدا کی پکڑ سے ڈرایا جا سکے۔ تاکہ وہ یا تو راہ راست پر آجائیں یا ان پر حجت پوری ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ...... یہ تو ایک یاد دہانی اور واضح قرآن ہے تاکہ وہ ڈرائے اُس شخص کو جو (ذہنی اعتبار سے) زندہ ہے اور منکرین پر بات پوری ہو جائے۔ (یٰس : ۶۹ - ۷۰)

تَبٰرَكَ الَّذِیْ ...... بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے فرقان (حق و باطل میں تمیز کرنے والا قرآن) نازل کیا تاکہ وہ سارے جہان کو متنبہ کر سکے (فرقان : ۱)

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ...... کہہ دو کہ یہ قرآن میرے پاس بھیجا گیا ہے۔ تاکہ میں تم کو اس کے ذریعہ ڈراؤں اور اُس کو بھی جس کے پاس یہ (مستقبل میں) پہنچے۔ (انعام : ۱۹)

اسی بنا پر فرمایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں فکری و شرعی اعتبار سے ہر چیز کا تذکرہ صراحت کے ساتھ (اصولی انداز میں) موجود ہے جو حق اور باطل میں تمیز کرنے کے علاوہ مستقبل میں پیش آنے والی "علمی فتوحات" کے تعلق سے اہل اسلام کی بشارت کا باعث بن سکتے ہیں۔

وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ ...... (اے محمدؐ) ہم نے یہ کتاب آپ پر نازل کی ہے جو ہر چیز کی (بہت زیادہ) وضاحت کرنے والی ہے۔ اور یہ اہل اسلام کے لیے ہدایت و رحمت اور خوشخبری ہے۔ (نحل : ۱۰۲)

اسی بنا پر ارشاد ہے کہ جو لوگ مطالعۂ فطرت سے آنکھیں چراتے ہیں یا اس کائناتِ مادی میں جاری و ساری اسباق و بصائر (قوانین فطرت) کو خاطر میں نہ لا کر ان سے منہ موڑتے ہیں تو وہ قابل مذمت ہیں جو اپنی غفلت و لاپرواہی کے باعث خدائی پکڑ سے بچ نہیں سکیں گے۔

وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ ...... آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں (علاماتِ ربوبیت) ایسی ہیں جن پر سے یہ لوگ آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں۔ (یوسف : ۱۰۵)

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ ...... کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ چیزوں پر نظر نہیں ڈالی؟ (ان کی اس غفلت و کوتاہی کی بنا پر) ہو سکتا ہے کہ ان کا مقررہ وقت قریب آگیا ہو، تو ایسے (حکیمانہ کلام) کے بعد آخر وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے۔؟

(اعراف : ۱۸۵)

قرآن کے نظامِ دلائل کو مدوّن کرنے کی ضرورت

مطالعۂ فطرت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ امام غزالیؒ کی تحقیق کے مطابق اس موضوع پر قرآن حکیم میں ۷۶۳ آیات موجود ہیں (جواہر القرآن ص۸۶) اور یہ قرآن کے علوم پنجگانہ میں سے ایک مستقل علم ہے۔ اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ قرآن حکیم میں آیت اور آیات کے الفاظ مختلف مقامات پر ۳۸۲ مرتبہ استعمال کیے گئے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر مقامات وہ ہیں جہاں پر نظام کائنات کے مطالعہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے انسان کو مختلف پیرایوں میں اس پر ابھارا گیا ہے اور اس سلسلے میں علم، عقل، تفکّر، تفقہ اور مشاہدہ تجسس وغیرہ سے کام لینے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اگر ان تمام آیات کو جمع کرکے انکی تشریح وتفسیر کی جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

غرض قرآن حکیم کا نظام دلائل اصول فطرت کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے جو ہر دور کے انسان کو اپیل کرنے اور اسے متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ موجودہ دور میں قرآن حکیم کے نظام دلائل کو مرتّب ومدوّن کرکے نوع انسانی کی صحیح رہنمائی کی جائے۔ یہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ تاکہ جدید انسان کو فکری گمراہیوں کے جال سے باہر نکالا جاسکے۔ اور یہ خدمت قرآن حکیم کی روشنی ہی میں انجام پاسکتی ہے۔

اسلام کا کمال اور علماء کا فریضہ

غرض اسلام ایک کامل دین اور کامل دستور زندگی ہے جو فطرت وشریعت میں کامل توافق وہم آہنگی دکھا کر یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی سرچشمہ سے صادر ہوئے ہیں اور اسی لیے یہ دونوں ایک دوسرے کی تصدیق وتائید کرتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کے صحیح تعامل وتوازن ہی کے باعث کوئی بھی معاشرہ ترقی کرسکتا ہے۔ مگر کلیسا (چرچ) نے ان دونوں میں تفریق کرکے انسانی معاشرہ کو بہت نقصان پہنچایا اور نوع انسانی کو الحاد ومادیت کی گود میں ڈال دیا۔ لہٰذا اس قسم کی سنگین غلطی کا ارتکاب پھر دوبارہ نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ فطرت وشریعت میں پھر سے تال میل پیدا کرکے نوع انسانی کی صحیح رہنمائی کرنی چاہیئے۔ اور یہ عظیم ترین خدمت قرآن حکیم کی روشنی میں علمائے اسلام ہی انجام دے سکتے ہیں۔ لہٰذا علماء کے لیے ضروری ہے کہ وہ فطرت اور مظاہر فطرت کا صحیح نقطۂ نظر سے مطالعہ کرکے ان دونوں میں تطبیق دیں اور عالم انسانی کو گمراہی کے غار سے باہر نکالیں۔ ورنہ الحاد ومادیت کا اژدھا جو منہ پھاڑے عالم انسانی کو نگلنے کے لیے تیار کھڑا ہے وہ اسے پوری طرح ہڑپ کرجائے گا اور پھر اس کے بعد انسانیت کی لاش پر آنسو بہانے والا بھی کوئی نظر نہیں آئے گا۔ لہٰذا علماء کو غفلت کی نیند سے جاگنا اور کچھ کردکھانے کے لیے تیار ہوجانا چاہیئے۔

ALSO APPROVED IN AMERICA BY U.S. ENVIRONMENTAL PROTECTION AGENCY WASHINGTON D.C.

جاپان کی وزارت صحت سے منظور شدہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اظہار الحق اور اس کے مؤلّف
حضرۃ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ

میرے لیے یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ چند سطریں ایک ایسے جلیل القدر عالم دین کے بارے میں لکھوں جس کو اللہ نے قلعۂ اسلام کا محافظ بنایا تھا، جس کی ذات سے حق و صداقت کو فتح و نصرت حاصل ہوئی جس کی عالمانہ بصیرت سے شکوک و شبہات کا ازالہ ہوا، اور جس نے اسلام کی وکالت و حمایت کا فرض ان نازک حالات میں انجام دیا جس وقت اس طرح کا کام اپنی موت کو دعوت دینے کے مرادف تھا اور بغیر جان کی بازی لگائے کوئی اس میدان میں ایک قدم آگے بڑھ نہیں سکتا تھا۔

میرا اشارہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی طرف ہے (سن پیدائش ۱۲۳۳ھ، وفات ۱۳۰۸ھ، مدفین جنۃ المعلاۃ، مکہ مکرمہ) جنہوں نے اپنے عیسائی حریف کو مناظرہ میں شکست فاش دی اور ایسے دلائل سے کام لیا جن کی طرف عام طور پر ذہن نہیں منتقل ہوتا تھا، تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں ان کی شہرت بام عروج پر تھی، وہ اپنے فن میں امامت کا درجہ رکھتے تھے، جس کا اعتراف ان کے تمام معاصر علماء کو تھا اور آج تک عالم اسلام کا ہر پڑھا لکھا اور باخبر آدمی ان کے کارنامے سے واقف اور ان کی علمی عظمت اور مجاہدانہ کارنامہ کا قائل ہے۔

مولانا کیرانویؒ کا وہ عظیم کارنامہ جس نے ان کو علمائے سلف اور مجاہدین امت کے درمیان ممتاز مقام عطا کیا، یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی مدافعت اس طرح کی کہ حق و باطل کو آئینہ کی طرح روشن کرکے دکھا دیا، اسلام کی خلاف غلط بیانیوں، تہمتوں اور شکوک و اوہام کا طوفان دشمنوں نے کھڑا کر دیا تھا۔ مولانا نے نہ صرف یہ کہ ان تہمتوں کی حقیقت واضح کر دی بلکہ مسلمانوں کے اندر دین پر یقین و اعتماد کو پختہ سے پختہ تر کر دیا، مسلمانوں کو اپنے دین کی صداقت اور اپنے رسول کی لائی ہدایت پر از سر نو غیر متزلزل ایمان نصیب ہوا۔

حضرت کیرانویؒ نے یہ خدمت ایسے زمانہ میں انجام دی جو مسلمانوں کے لیے انتہائی نازک اور صبر آزما زمانہ تھا، ان کا حریف وہ تھا جس کو اس زمانہ کے سب سے بڑے فاتح گروہ کی پشت پناہی حاصل تھی، اور وہ بڑی دنیاوی طاقت اس کی سرپرست تھی جس کے قلمرو میں آفتاب نہیں غروب ہوتا تھا، اور جس

کے تمدن، تہذیب، تعلیم کی پوری دنیا میں دھاک بیٹھی ہوئی تھی ۔

دوسری طرف مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، اپنے حریف کے برعکس، ایسی قوم کے فرد تھے جو شکست خوردہ بھی تھی اور شکستہ حال بھی، اور آزمائش کے سنگین ترین وقت سے گزر رہی تھی، اس کو اپنے تابناک ماضی کا بھی ہوش نہیں تھا، اس کے نزدیک اسلاف کے مجاہدانہ کارنامے قصۂ پارینہ تھے جو اس کی سیاسی پسپائی اور اقتصادی بدحالی کا مداوا نہیں بن سکتے تھے، اور اس ذہنی پسپائی کے نتیجہ میں خود دین اسلام کی صداقت وحقانیت پر یقین میں کمزوری بلکہ کھوکھلا پن آچکا تھا، انگریز اس کو اپنا حریف اور حقیقی دشمن سمجھتے تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ ایشیا اور افریقہ میں کہیں بھی ان کے دین وتہذیب کو کوئی علمی محاذ پر چیلنج کر سکتا ہے تو وہ صرف مسلمان ہیں ۔ اس لیے ان کا سارا زور مسلمانوں کی حوصلہ مندیوں کو مٹانے اور ان کی معنوی قوت کمزور کرنے پر صرف ہو رہا تھا، یورپ کی عیسائی مشنریاں پوری آزادی کے ساتھ حکومتِ وقت کی سرپرستی اور کفالت میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں اپنے جال بچھائے ہوئے تھیں، ہزاروں کی تعداد میں عیسائی مبلغین ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوتے تھے، سیکڑوں ناخواندہ اور نیم تعلیم یافتہ افراد " اقبال مند فاتح قوم " کا مذہب اختیار کر رہے تھے، اور ان کی ظاہری شان وشوکت، حکومت وقوت، کمزور ناخواندہ اشخاص کے نزدیک حقانیت کی دلیل تھی ۔

عوام اور سادہ لوح لوگ، تو الگ رہے، خود علمائے کرام کو عیسائیت کی پوری حقیقت نہیں معلوم تھی، ان کو بائبل کے عہد قدیم، عہد جدید، ان کی شرحوں اور تفسیروں سے واقفیت نہیں تھی، ان کتابوں کی تاریخ اور ان میں جو مختلف زمانوں میں اضافے ہوتے رہے، اور کتر بیونت کی جاتی رہی، بائبل سوسائٹیوں نے جو تصرفات کیے، عیسائی انجیل مقدس انجمن نے جس طرح بائبل کو ایڈٹ کیا، ان سب سے سطحی واقفیت بھی پڑھے لکھے مسلمانوں کو نہیں تھی، علمائے کرام کی ذہنی جولانیوں اور علمی تحقیقات کے میدان یا تو فقہی جزئیات تھے یا یونانی منطق وفلسفہ اور علم کلام کی بحثیں، یا کسی درجہ میں احادیث وتفسیر پر حواشی وتحقیقات، عیسائیوں کے ان ناروا حملوں کا مقابلہ کرنے کی کوئی تیاری انہوں نے نہیں کی تھی ۔ یہ حملے ان کے لیے ایسے تھے جیسے کسی نے اچانک رات کی تاریکی میں ان کے گھر پر شبخون مارا ہو، ان حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑے دل گردہ کی ضرورت تھی، ہمت وجرأت کے ساتھ کتب سماویہ پر گہری نظر کی ضرورت تھی، اور اس بات کی ضرورت تھی کہ عیسائیت کا مطالعہ وسیع اور گہرا ہو اور عیسائیت کو عیسائیت کے بنیادی اور علمی مراجع سے سمجھا گیا ہو، جو اس پر تنقیدیں کی گئی ہیں اور ان کے تجزیے جس انداز میں کیے گئے ہیں ان سے واقفیت بھی لازمی تھی ۔ ان سب کے لیے ایک طرف تو بھرپور غیرت ایمانی کی ضرورت تھی، دوسری

طرف وسیع مطالعہ اور بصیرت مطلوب تھی، اور خاص مشکل یہ تھی کہ عیسائیت پر تحقیقی کام کرنے والے کے سامنے کوئی روشن شاہراہ نہیں تھی بلکہ ایک سُرنگ تھی جو اندر سے تاریک تھی اور اس میں پیچ در پیچ راستے تھے، کھانچے اور کھائیاں تھیں، یعنی اس کے علمی مآخذ نہ ہونے کے قریب تھے اور جو تھوڑے بہت تھے وہ یورپین زبانوں میں تھے، ان زبانوں میں تھے، ان زبانوں میں زیادہ مانوس زبان انگریزی تھی، اہلِ ہند نے ابھی اس زبان کو سیکھنا شروع ہی کیا تھا اکثر مسلمان اور خاص طور پر علماء اس سے متنفر تھے، کیونکہ یہ ان ظالموں کی زبان تھی جنہوں نے ان سے حکومت چھینی تھی اور ان کی تذلیل کی تھی، دوسری طرف خود عیسائی مشنریاں بھی نہیں چاہتی تھیں کہ ان کی کتاب مقدس پر جو جرح ہوئی ہے اور اس کے جو تجزیے کیے گئے ہیں وہ ہندوستان لائیں، کیونکہ ان کی مصلحتِ تبلیغ کا تقاضہ یہ تھا کہ لوگوں کو اس سے بے خبر رکھا جائے، لہٰذا وہ یہاں کے لائبریریوں اور علمی مراکز کو ایسی کتابیں کیوں کر فراہم کر سکتے تھے بلکہ انکی کوشش تھی کہ اس طرح کتابیں اس ملک میں آنے نہ پائیں۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے لیے یہ صورت حال پریشان کن ضرور تھی مگر ان کی حمیّت وغیرت کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ اور ان کے وہ رفقاء جو اسلام کی مدافعت اور اسلام پر عائد کردہ تہمتوں کی حقیقت واضح کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر چکے تھے، اپنے مورچہ پر جم کر مقابلہ کریں، عیسائی مبلغوں نے جو اپنے آپ کو مُبشّر (جنت کا مژدہ سنانے والے) کہلانا پسند کرتے ہیں، مسلمانوں کو دفاعی پوزیشن میں ڈال دیا۔ اور تجربہ کار وسیاسی بازی گروں اور امورِ جنگ کے ماہرین کا خیال ہے کہ مقابلہ کرنے کے لیے بہترین پوزیشن حملہ آور کی ہوتی ہے۔ اپنے حریف کو دفاعی پوزیشن میں ڈال دینا بڑی مہارت کا کام ہے، یہی سیاست عیسائی مبلغوں نے اپنی طاقت کے زور پر اختیار کی تھی۔ مگر مولانا کیرانوی نے اپنی دینی بصیرت سے محسوس فرمایا کہ عیسائیوں سے دوبدو مقابلہ ضروری ہے ورنہ نہ صرف ہندوستانی[1] مسلمان ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہو جائیں گے بلکہ عرب ممالک کو بھی انہی خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا، لہٰذا ہندوستان میں عیسائیوں سے مقابلہ صرف یہاں کے مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ تمام عرب اور اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ اگر یہاں کے مسلمان جو سیاسی لحاظ سے پسپا ہیں اور اپنی سلطنت کھو کر شکستہ دل ہیں، اگر اس مورچہ پر بھی شکست کھا گئے اور اس زبانی مناظرہ میں اپنے حریف کا کھوکھلا پن ثابت نہ کر سکے تو عیسائیت کا سیلاب پورے عرب اور مشرقی ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا۔ اور اگر یہ زخم خوردہ اور شکستہ دل مسلمان اس مناظرہ سے سربلند و سرخ رو ہو کر نکلتے

---

[1] مشترکہ غیر منقسم ہند۔

ہیں تو یہ سیلاب بلا نہ صرف ہندوستان سے بلکہ تمام مشرقی مسلم ممالک سے رک جائے گا۔

مولانا کیرانوی نے اللہ کا نام لے کر اس مہم کو سر کرنے کا عزم کرلیا اور یہ طے کرلیا کہ عیسائیت کو عیسائیت کے اصلی مراجع و مآخذ سے سمجھیں گے، ان کا تجزیہ کرکے تحقیق کریں گے، ان کے اس عزم کو اور پختہ اس بات نے کر دیا کہ اس زمانہ میں ایک مشہور عیسائی پادری، عیسائیت کا مبلغ اعظم فنڈر (PFANDER) ہندوستان آیا اور علمائے دین کو للکارا اور علانیہ مناظرہ کی دعوت دینے لگا اور ملک کے ہر صوبہ اور ہر ضلع میں دورے کرنے لگا، بڑے بڑے جلسے کرتا اور اس میں تقریر کرتا، اپنے مذہب کی پیروی کی دعوت دیتا تھا، حضرت کیرانوی کو ایک اور مشکل کا سامنا تھا، وہ انگریزی زبان نہیں جانتے تھے اور دوسری زبانوں کے سیکھنے کی ایک خاص عمر ہوتی ہے اس سے وہ تجاوز کر چکے تھے، زندگی بھر ان کا مشغلہ علوم دینیہ پڑھنا پڑھانا رہا، قرآن وحدیث سے سابقہ رہا، یا علوم عقلیہ سے۔ دوسری طرف فنڈر صرف اپنی ہی زبان (انگریزی) جانتا تھا، تھوڑی سے بہت عربی فارسی زبان سمجھ لیتا تھا، اب ضرورت تھی کہ کوئی ایسا شخص ہوتا جو ان دونوں کے درمیان واسطہ بنتا اور ایسے شخص کی ضرورت تھی جو دوسری یورپین زبانوں کے مراجع سے واقف ہوتا اور عیسائی وثائق کو پڑھ کر ترجمہ کرسکتا۔

اللہ کی مصلحت وحکمت نے حضرت مولانا کیرانوی کے لیے ایک ایسے شخص کو سامنے لاکر کھڑا کر دیا جس کی ضرورت تھی۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وللہ جنود السمٰوات والارض" (یعنی اللہ کے کارندے سپاہی زمین وآسمان میں پھیلے ہوئے ہیں) وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت کیرانوی کی مدد کیلئے غیب سے کھڑا کیا وہ ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی تھے، جو ۱۸۳۲ء میں لندن جاکر ڈاکٹری کی اعلیٰ سند حاصل کر چکے تھے اور انگریزی کے علاوہ یونانی زبان بھی پڑھ چکے تھے۔ انہوں نے عیسائیت کا اچھا مطالعہ کیا تھا اور اس کے مراجع خرید لیے تھے اور یہ کتابیں اپنے ساتھ ہندوستان لے آئے تھے، حضرت کیرانوی کے لیے یہ قوت بازو اور بہترین معاون ثابت ہوئے، اور وقت کا تقاضا جس جہاد کے لیے تھا اس میں مولانا کے شریک ومددگار بن گئے۔

حضرت کیرانوی نے اس طرح پوری تیاری کرلی اور معرکۂ حق وباطل کے لیے کمربستہ ہوگئے۔ دوسری طرف فنڈر کی جولانیاں بھی شباب پر تھیں، ایک شتر بے مہار کی طرح پوری بے حیائی اور جرأت کے ساتھ اسلام پر نار وا حملے کر رہا تھا۔ حضرت کیرانوی نے محسوس کیا کہ سب سے پہلے اس شخص کا دہانہ توڑنا چاہیئے اور اس کے ساتھ ہی دوسرے عیسائی مبلغوں کو بھی سبق سکھا دیئے جانے کی ضرورت ہے، اس طرح مسلمانوں کے اندر سے احساس کمتری کا ازالہ ہوگا اور ان کو اپنے دین کی حقانیت کا یقین حاصل ہوگا۔

حضرت کیرانویؒ نے محسوس فرمایا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ فنڈر سے مناظرہ کیا جائے، اور اعلانیہ جلسے میں یہ مناظرہ ہو جس میں مسلمان اور اہلِ وطن، یورپین حکام، عیسائی اور عیسائیت قبول کرنے والے ہندوستانی سب موجود ہوں، فنڈر کو اپنی کتاب 'میزان الحق' پر بڑا ناز تھا اور اکثر اسی سے وہ استدلال کرتا تھا اور اس کو وہم تھا کہ مسلمان اور ان کے علماء ان دلائل کا رد نہیں کر سکتے۔ مولانا کیرانویؒ نے اس پادری (فنڈر) سے مناظرہ کرنے کا تہیہ کر لیا، اس سے خط و کتابت کی اور دعوت دی کہ وہ سب کے سامنے آئے جس میں مسلمان اور غیر مسلم سب ہوں۔ جب پادری فنڈر پر بہت زور پڑا، اور اس نے دیکھ لیا کہ اب بغیر مناظرہ کیے کوئی چارۂ کار نہیں ہے تو اس دعوت کو چار و ناچار قبول ہی کر لیا، اگر اس کو اس مناظرہ کے نتائج کا اندازہ ہوتا تو شاید وہ کبھی سامنے آنا قبول نہ کرتا، بہرحال ۱۱ رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء اکبرآبادی (آگرہ) میں یہ مناظرہ طے پایا۔ یہ مقام عیسائیت کے فروغ کا مرکز تھا اور اس کے ایک محلہ کا نام محلۂ "عبدالمسیح" ہی پڑ گیا تھا کیونکہ وہاں عیسائیت قبول کرنے والے ہندوستانی کافی تعداد میں تھے۔

متعینہ تاریخ میں جلسہ شروع ہوا۔ ضلع کے حکام، عدالت کے جج اور انگریزی چھاؤنی کے بہت سے عہدہ دار موجود تھے، پادری فنڈر اور پادری ولیم کلین (WILLIAM CLEAN) اور شہر کے اعیان و سربرآوردہ اشخاص، ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب ہی موجود تھے۔ ڈاکٹر محمد وزیر خاں حضرت کیرانویؒ کے مترجم و معاون کی حیثیت سے شریک تھے، مناظرہ کے پانچ موضوع تھے۔

۱۔ بائبل عہد قدیم (اولڈ ٹیسٹامنٹ) اور عہد جدید (نیو ٹیسٹامنٹ) میں تحریف ہوئی۔

۲۔ بائبل میں کچھ احکام منسوخ قرار دیئے گئے۔

۳۔ عقیدۂ تثلیث۔ ۴۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت

۵۔ قرآن کی صداقت وصحت۔

اس مناظرہ میں شرط یہ تھی کہ اگر مولانا کیرانویؒ نے اس مناظرہ میں بازی جیت لی تو فنڈر اسلام قبول کر لے گا اور اگر اس کے برعکس ہوا تو مولانا کیرانویؒ عیسائیت کو تسلیم کر لیں گے۔ اس شرط کی وجہ سے اس مناظرہ کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ [illegible] کا مناظرہ ختم ہوا تو ہر جگہ اس کا چرچا ہونے لگا، ہر مجلس میں یہی موضوع تھا جس پر تبصرے ہو رہے تھے [illegible] مناظرہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ پادری فنڈر نے یہ اعتراف کر لیا کہ آٹھ مقامات میں بائبل کے اندر تحریف موجود ہے۔

دوسرے روز جلسۂ عام میں عیسائی، سکھ، ہندو اور مسلمانوں کی بڑی تعداد مناظرہ میں شریک ہونے کے لیے آئی۔ فنڈر نے کہا کہ انجیل میں جو غلطیاں ہیں وہ کتابت کی غلطیاں ہیں۔ لیکن وہ [illegible] عقیدہ

تثلیث، حضرت عیسیٰ کی الوہیت، فداء اور شفاعت کا ذکر ہے وہ تحریف سے محفوظ ہیں۔ پادری فنڈر کے ترکش کا یہ آخری تیر تھا جس کو اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ استعمال کیا۔ حضرت کیرانوی نے جواب دیا۔

"جب تم انجیل میں تحریف کو تسلیم کرتے ہو۔ تو پوری کتاب مشکوک ہو گئی۔"

اس پر بحث ختم ہوئی اور پادری فنڈر تیسرے روز مناظرہ کے لیے آیا ہی نہیں۔ اس کے بھاگ کھڑے ہونے سے واضح ہو گیا کہ وہ مناظرہ کے میدان میں شکست کھا گیا اور مسلمانوں کی یہ بڑی کامیابی تھی جس سے ایمانی قوت میں اضافہ ہوا، اور پادریوں کا منہ توڑ جواب دینے کی صلاحیت عام مسلمانوں نے اپنے اندر محسوس کی۔ عیسائیت کے عقلی و علمی دبدبہ اور بلند بانگ دعووں اور اسلام پر تہمتوں کی حقیقت سب کی سمجھ میں آگئی۔

اس مناظرہ کے دو سال بعد ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کا واقعہ پیش آیا جو ایک طرح سے مسلمانوں کی آخری کوشش تھی کہ انگریزوں کے بچھائے ہوئے جال سے نکل آئیں، لیکن اس جنگ میں مسلمان ناکام رہے، اور ان کی ناکامی کے بعد انگریز غضبناک، طاقت ور اور انتقام کے جذبے سے بھرے ہوئے دشمن کی طرح پیش آئے اور وہ جانتے تھے کہ اس جنگ کی قیادت مسلمان کر رہے تھے اور انہی کا یہ پلان تھا اور وہی اس کی ہمت کر سکتے تھے، اور دوسرے ہم وطن ان کے ساتھ ہو لیے تھے، اس لیے مسلمانوں کے علماء ان کے جذبۂ انتقام اور غصہ کا سب سے زیادہ شکار رہے اور آئندہ بھی انگریز کو خطرہ انہی مسلمانوں اور ان کے علماء سے تھا، عوام میں انہی کی مقبولیت تھی لہٰذا انگریزوں نے ایک ایک عالم کو پکڑ پکڑ کر قتل کرنا شروع کیا، ان کو پھانسی دیتے، سولی پر چڑھاتے، ان کی گردنیں درختوں سے لٹکاتے اور طرح طرح کی تذلیل و اہانت کا سلوک کرتے اور تلاش کر کے ایسے افراد کو ڈھونڈتے جن کی مسلمانوں کے درمیان عزت و توقیر ہوتی، اور لوگ جن کی بات سنتے۔

انگریزوں کو جن افراد کی تلاش تھی ان میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی صفِ اوّل کے لوگوں میں تھے، کیونکہ مذہبی مناظرہ میں وہ ان کو شکست دے چکے تھے اور ان کے خلاف جو جہاد کیا گیا اس میں شریک تھے۔ مصلحتِ وقت کا تقاضا تھا کہ مولانا کچھ عرصہ کے لیے ایک گاؤں میں روپوش ہو جائیں، جب انگریز ان کی تلاش میں اس گاؤں میں بھی پہنچ گئے تو مولانا نے کلہاڑی لے کر کسانوں کے بھیس میں کھیت میں کٹائی کا کام شروع کر دیا، اور اس طرح اللہ نے ان کو بچا لیا اور انہوں نے کسی طرح سورت کی بندرگاہ سے روانہ ہو کر بلادِ مقدسہ کی طرف ہجرت کر لی، یہ ۱۸۶۲ء کا واقعہ ہے یعنی جنگِ آزادی کے پانچ سال بعد، ان کی جائیدادیں سب کی سب ضبط کر لی گئیں جو خاصی بڑی تھیں اور ان کو نیلام کر دیا گیا۔ یہ زمانہ وہ تھا جب مسلمانوں کے خلیفہ سلطان عبدالعزیز عثمانی تھے اور مکہ مکرمہ میں ان کے گورنر شریف عبداللہ بن عون تھے، جب ان کی علمی منزلت کا پتہ چلا تو حرم شریف میں ان کو درس دینے کی اجازت مل گئی اور اس وقت کے سربرآوردہ

علماء سے ان کے تعلقات ہوئے جن میں مکہ مکرمہ کے سب سے بڑے عالم شیخ احمد زینی دحلان رح تھے جو مولانا کیرانوی رح کے خاص احباب میں تھے اور انہوں نے ہی مولانا کیرانوی رح کو شریف مکہ سے ملایا اور علمائے مکہ سے ان کا تعارف کرایا۔

ایک اتفاقی بات پیش آئی کہ پادری فنڈر ایک عرصہ تک یورپ کے مختلف ملکوں جرمنی، سوئزر لینڈ، انگلینڈ میں رہا اس کے بعد اس کو لندن کی تبلیغی انجمن (مشنری) نے قسطنطنیہ بھیجا کہ مسلمانوں کے مرکزی مقام خلافت کے پایۂ تخت میں جاکر عیسائی تبلیغ کی مہم چلائے۔ اس نے سلطان عبدالعزیز سے ملاقات کی اور ہندوستان کے اس مناظرہ کا قصہ بیان کیا اور کہا کہ عیسائیت کو اسلام پر فتح حاصل ہو گئی، سلطان عبدالعزیز خلیفۃ المسلمین تھے ان کو اس بیان سے سخت حیرت ہوئی، انہوں نے شریف مکہ کو لکھا کہ ہندوستان سے آنے والے حاجیوں سے معلوم کریں کہ اصل واقعہ کیا ہے اور کس طرح پیش آیا؟ اور اس مناظرہ اور انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی بغاوت (۱۸۵۷ء) کی صحیح نوعیت سے مطلع کریں۔ شریف مکہ شیخ العلماء سید احمد دحلان سے پورا واقعہ معلوم ہو چکا تھا، انہوں نے دارالخلافہ کو مطلع کیا کہ اصل واقعہ کیا ہے اور یہ کہ اس مناظرہ کے "ہیرو" (ہیرو) جو عالم دین ہیں وہ حسن اتفاق سے مکہ مکرمہ میں موجود ہیں، سلطان عبدالعزیز نے حضرت مولانا کیرانوی رح کو دارالخلافہ آنے کی دعوت دی، چنانچہ مولانا وہاں (۱۲۸۰ھ، مطابق ۱۸۶۴ء میں) تشریف لے گئے۔ جب پادری فنڈر کو معلوم ہوا کہ شیخ (مولانا کیرانوی رح) قسطنطنیہ آرہے ہیں اسی وقت وہاں سے فرار ہو گیا۔ سلطان عبدالعزیز نے وہاں کے علماء کو جمع کیا، جس میں وزراء اور اعیان ملک شریک تھے، مولانا کیرانوی رح سے اس مناظرہ کا حال سنا کہ کس طرح اسلام کو انہوں نے عیسائیت پر فتح یاب کیا، پھر ۱۸۵۷ء کی بغاوت کی داستان سنی، سلطان نے اسی وقت عیسائی مبلغوں پر پابندی لگا دی اور اس سلسلہ میں سخت قوانین نافذ کیے۔ سلطان اکثر و بیشتر نماز عشاء کے بعد مولانا کیرانوی رح سے ملا کرتا اور آپ کے نصائح و ارشادات سنا کرتا۔ اس مجلس میں حکومت کے صدر اعظم خیر الدین پاشا تیونسی بھی شریک رہتے، وہاں کے شیخ الاسلام اور بڑے سر برآوردہ علماء بھی اس مجلس میں آیا کرتے تھے۔

مولانا سے جب صدر اعظم اور خلیفہ عبدالعزیز نے مناظرہ کا قصہ سنا اور ان کی علمی عظمت، وسعت مطالعہ اور مسیحیت پر ان کی ناقدانہ بصیرت کا اندازہ کیا تو یہ درخواست کی کہ وہ عربی زبان میں ایک مبسوط کتاب لکھ دیں جس میں ان پانچوں عناوین پر سیر حاصل بحث ہو جو مناظرہ کے لیے موضوع بحث قرار پائے تھے۔ مولانا نے اس تجویز کو قبول فرمایا اور "اظہار الحق" کی تالیف وہیں قسطنطنیہ میں شروع کر دی۔ رجب ۱۲۸۰ھ میں یہ تالیف شروع کی اور ذی الحجہ میں مکمل کر لی، یعنی صرف چھ ماہ میں یہ ضخیم دستاویز تیار ہو گئی۔ سلطان کی خدمت میں یہ

ہدیہ پیش کیا اور مقدمہ میں تحریر فرمایا کہ یہ کتاب شیخ العلماء علامہ زینی دحلان رح کی تجویز پر لکھی ہے۔ صدر اعظم خیرالدین پاشا نے مولانا سے عرض کیا کہ آپ نے تو یہ کام امیرالمومنین کی فرمائش پر کیا ہے، مناسب یہ تھا کہ امیرالمومنین کا نام آپ لکھتے، خلیفۃ المسلمین کا اکرام اور حق و انصاف سے قریب تر بات یہی ہے۔ مولانا نے فرمایا یہ خدمت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے میں نے انجام دی ہے اس میں کوئی دنیاوی غرض شامل نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ شیخ العلماء دحلان نے مجھ سے پہلے اس کی فرمائش کی تھی اور کہا تھا کہ اس مناظرہ کی روداد قلم بند کروں اور مکہ مکرمہ میں میں نے اس کتاب کے مواد جمع کرنا شروع کر دیئے تھے اور شیخ دحلان ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے مجھے شریف مکہ سے متعارف کرایا اور آج دربار خلافت تک میری رسائی کا سبب وہی ہیں، لہٰذا ان کے فضل و کرم کا اعتراف ضروری ہے۔

اس طرح یہ کتاب معرض وجود میں آئی، اس کی اہم خصوصیات یہ ہیں۔

۱۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے دفاعی موقف کے بجائے حملہ آور ہونے کا موقف کیا ہے، اور یہ موقف بہت ہی کارآمد ہوتا ہے کہ حریف کو دفاعی پوزیشن میں ڈال دیا جائے، اور اس کو مجبور کیا جائے کہ وہ ملزم کے کٹہرے میں کھڑا ہو، اور وہ اپنی صفائی پیش کرے، پہلے علماء نے اس بات کو محسوس نہیں کیا تھا اور تورات و انجیل اور قرآن کو ہم پلہ سمجھ کر گفتگو کرتے تھے، اس طرح ان قدیم صحیفوں کو وہ اہمیت حاصل ہو جاتی جس کے حقیقتاً وہ مستحق نہ تھے، حالانکہ خود حاملین تورات و انجیل یہ تسلیم نہیں کرتے کہ قرآن کی طرح بغیر کسی تغیر و تبدل کے آسمانی صحیفوں کا امتیاز ان میں پایا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بہت مناسب قدم اٹھایا تھا کہ اپنی کتاب "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" میں جارحانہ موقف اختیار کیا تھا، کیوں کہ اہل تحقیق علماء کے نزدیک تورات و انجیل کی حیثیت دوسرے تیسرے درجہ کی احادیث و سیرت کی کتابوں سے زیادہ نہیں ہے، اور نہ ان صحیفوں کی ثابت شدہ سند ہے۔ ان صحیفوں کو حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد مختلف مرحلوں میں مرتب کیا گیا ہے۔ ان میں کچھ حضرت مسیح کے اقوال ہیں اور کچھ ان کے معجزات کا بیان ہے اور کچھ ان کے اخلاق و اعمال کا ذکر ہے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی رح نے بہت گہرائی کے ساتھ ان صحیفوں کا مطالعہ کیا تھا اور اس کی تہ کو پہنچ گئے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے اندازِ گفتگو سے مناظرہ کی نوعیت بدل گئی اور حریفوں کو جو پہلے بالادستی ہو جایا کرتی تھی وہ ختم ہو گئی۔

۲۔ اس کتاب کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ مولانا کیرانوی رح نے زیادہ جزئیات سے بحث نہیں کی ہے، کیوں کہ اس میں بحث و مناظرہ اور چوں چرا کی گنجائش رہتی ہے۔ مولانا نے صاف نظر آنے

والی اور آسانی سے سمجھ میں آنے والی باتیں ذکر کی ہیں جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے بائبل میں ایک دوسرے سے متضاد باتوں کو نکال دکھایا ہے کہ کوئی الہامی کتاب جس میں تحریف نہیں ہوئی ہو، اس طرح متضاد باتوں کا مجموعہ نہیں ہو سکتی، اس طرح کی ایک سو آٹھ کھلی ہوئی غلطیوں کو انہوں نے دکھایا ہے۔ یہ باتیں ایسی ہیں جیسے ریاضی کے فارمولے ہوتے ہیں، دو اور دو چار کی طرح جس کے نتائج سب کے سامنے ہیں، دوسرے کھلی ہوئی تحریف کے نمونے ہیں جہاں الفاظ کے اضافے ہیں، کہیں کمی ہے، کہیں تشریحی جملے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب ایک آسمانی صحیفہ کا درجہ حاصل ہی نہیں کر سکتی۔

۳۔ عیسائیوں نے انجیل کو وحی منزل ثابت کرنے کے لیے جو عبارت آرائی کی ہے اور مغالطے میں ڈالنے کی کوششیں کی ہیں ان کو نقل کرنے کے بعد انتہائی آسان اور قابلِ قبول اسلوب بیان میں ان کا رد کیا ہے۔

۴۔ حضرت کیرانوی ؒ نے عقیدۂ تثلیث کو عقل کی کسوٹی پر رکھ کر اور اس کا علمی تجزیہ کر کے دکھایا ہے کہ کوئی بھی صاحبِ عقل وثوق اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

۵۔ حضرت کیرانوی ؒ نے صرف یہی نہیں کیا کہ عیسائیت کے عقائد اور ان کے صحیفوں کی حقیقت کھول کر دکھا دی بلکہ قرآن کریم پر جو ان کے اعتراضات رہے ہیں اس کا بھی تشفی بخش جواب دیا اور دکھایا کہ قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں عیسائیوں کے پیدا کردہ شبہات کا جواب دیا اور اسی سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ، معجزات کو بیان کیا اور آپؐ کے حق میں انبیائے سابقین نے جو بشارتیں دی ہیں ان میں سے اٹھارہ (۱۸) بشارتوں کا ذکر کیا۔

ان اسباب کی بنا پر کتاب کی اہمیت بڑھ گئی اور ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لی جانے لگی، ایک ترکی عالم نے اس کا ترجمہ کیا اور اس کا نام ”ابراز الحق“ رکھا۔ ایک صاحبِ قلم نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا جو ہندو پاکستان کے کتب خانوں میں موجود ہے۔

مولوی غلام محمد راندھیری نے اس کا گجراتی زبان میں ترجمہ کیا تھا، اردو میں مولانا اکبر علی سہارن پوری مرحوم نے تین جلدوں میں اس کا ترجمہ کیا تھا، جس کا نام ”بائبل سے قرآن تک“ ہے اس پر مولانا تقی عثمانی نے مفصل مقدمہ لکھا ہے وہ فاضلانہ اور محققانہ ہے اور اس لائق ہے کہ علیحدہ سے شائع ہو۔

عیسائیوں کے پادریوں کا یہ معمول رہا کہ جہاں یہ کتاب بازار میں آئی اس کے تمام نسخے خرید کر جلا دیتے تاکہ لوگ پڑھ نہ سکیں، اس لیے بار بار اس کی طباعت ہوتی رہی، مراکش کی وزارت اوقاف وامور مذہبی نے اس کو بہت آب وتاب سے شائع کیا ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن بک باجہ جی زادہ نے اپنی کتاب ”الفارق بین الخالق والمخلوق“ میں

(بقیہ صفحہ ۴۲ پر)

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
خوشنما
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ
EAGLE
EAGLE
IRIDIUM
ہر
جگہ
دستیاب
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

دلکش
دلنشیں
دلفریب
حسین
کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد و زن کے ملبوسات کیلئے
موزوں، حسین کے پارچہ جات
شہر کی ہر بڑی دکان پر
دستیاب ہیں۔
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

جناب اسرار عالم صاحب دہلی

ظہور فساد اور اس کے اسباب

بحر و بر میں فساد انسان کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتا ہے ۔ دنیا کی ہر شئے اپنی فطرت کے اعتبار سے اعتدال پر قائم ہے ۔ یہ اعتدال اور توازن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے ۔ یہی اس کی صلاح ہے ۔

امام راغب اصفہانی لفظ ظہر کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

ای کثر و شاع ۔ یعنی اضافہ ہوا اور پھیل گیا ۔ (مفردات الامام راغب)

لفظ "فساد" کی تشریح کرتے ہوئے امام راغب فرماتے ہیں ۔

"الفساد خروج الشئ عن الاعتدال قلیلاً کان الخروج عنہ او کثیراً و یضادہ الصلاح و یستعمل ذالک فی النفس والبدن والاشیاء الخارجۃ عن الاستقامۃ"

ترجمہ: "یعنی فساد خروج ہے حد اعتدال سے خواہ یہ خروج تھوڑا ہو یا زیادہ ۔ اور فساد مخالف ہے الصلاح کا ۔ اس کا اطلاق ہر اس بات پر ہوتا ہے جس کا تعلق انسانی جان، بدن اور خارجی اشیاء سے ہے ۔"

گویا ظہر الفساد سے مراد مخلوق کا فطرت، سنت الٰہی اور حد اعتدال سے انحراف اور باہر نکل جانا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

اَلّذی خلق فسوّیٰ والّذی قدّر فہدیٰ (الاعلیٰ ٢-٣)

ترجمہ: پروردگار جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا، جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی ۔

اس ذیل میں ابو حیان فرماتے ہیں ۔

"أی خلق شیئاً فسواہ بحیث لم یات متفاوتا، بل متناسباً علی احکام واتقان، للدلالۃ علی انہ صادر من عالم حکیم"

(البحر المحیط لابی حیان ٨/٤٥٨)

ترجمہ: پروردگار نے تمام چیزوں کو پیدا کیا پھر اسے درست اور متناسب بنایا تاکہ اس میں کوئی تفاوت نہ پایا جائے اور کل عالم احکام و اتقان کے اعتبار سے متناسب ہو جائے اور وہ اس بات پر دلالت کریں کہ اسے کسی باخبر و حکمت والی ذات نے بنایا ہے

"الذی قدر" کی تشریح کرتے ہوئے علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔

قدر لکل حیوان ما یصلحہ فھداہ الیہ وعرفہ وجہ الانتفاع بہ (الکشاف ج ۴)	ترجمہ: تمام ذی روح کے لیے ایسی تقدیر تجویز فرمائی جوان کیلئے مناسب ہو پھر ان کی طرف انہیں ہدایت دی اورانہیں ان راستوں اور طریقوں سے آگاہ کیا جن سے وہ ان کا استعمال کر سکیں اور فائدہ اٹھا سکیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔

"ای قدر لکل مخلوق وحیوان ما یصلحہ، فھداہ الیہ وعرفہ وجہ الانتفاع بہ" (روح المعانی ۳۰/۴/۱۰۴، وایضاً التسہیل لعلوم التنزیل ۴/۱۹۳)	ترجمہ: "تمام مخلوق اور ذی روح کے لیے ایسی تقدیر تجویز فرمائی جوان کے لیے مناسب ہو۔ پھر ان کی طرف انہیں ہدایت دی اور انہیں ان راستوں اور طریقوں سے آگاہ کیا جن سے وہ ان کا استعمال کر سکیں اور فائدہ اٹھا سکیں۔

یہ ہدایات متعلق ہیں اُن تمام چیزوں سے جن سے اہل دنیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ علامہ زمخشری اس ذیل میں فرماتے ہیں۔

وھدایات اللہ للانسان الی مالا یحد من مصالحہ ومالا یحصر من حوائجہ فی اغذیتہ وادویتہ وفی ابواب دنیاہ ودینہ (الکشاف ج ۴)	ترجمہ: اور اللہ کی یہ ہدایات انسان کے لیے مفید چیزوں سے منتفع کرانے والی ہیں (اور ان سے روکنے والی نہیں ہیں) اسی طرح وہ انسان کی غذا علاج اور دنیا اور دین کی جملہ ضرورتوں کی تکمیل کرانے والی ہیں (اور ان پر بے جا پابندی لگانے والی نہیں ہیں۔)

زمین پر فساد کا ظہور مختلف حیثیتوں اور متعدد راستوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً۔

(الف) فضاء، کرۂ ہوا، کرۂ آب، جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان کے فطری توازن میں بگاڑ پیدا ہو جانے سے۔

(ب) انسانی خلق اور عادات میں غیر فطری تبدیلی ہو جانے یا ان کا غیر فطری استعمال کرنے یا انہیں ضائع کرنے سے۔

(ج) انسانی معاشرے اور معاشرتی آداب واطوار کو ربانی ہدایات سے بے نیاز کرنے یا بالمخالف استوار کرنے سے۔

(د) زمین پر ربانی ہدایات سے بے نیاز سیاسی، معاشی، معاشرتی، عمرانی اور روحانی نظام برپا کرنے سے وغیرہ۔

قرآن وسنت میں روئے ارضی پر انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ فساد کا احصار کیا گیا ہے۔ ذیل میں چند اہم پہلوؤں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ ربكم الذی خلق السمٰوات والارض فی ستة ایام ثم استویٰ علی العرش یغشی اللیل النهار یطلبه حثیثاً والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره الا له الخلق والامر تبارك الله رب العالمین۔ ادعوا ربکم تضرعاً وخفیةً انه لا یحب المعتدین۔ ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها وادعوه خوفا وطمعا ان رحمة الله قریب من المحسنین۔ (اعراف ۵۴-۵۶)

ترجمہ: درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر عرش پر قائم ہوا، جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے جس نے سورج اور چاند تارے پیدا کیے سب اس کے فرمان کے تابع ہیں خبردار رہو اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے، بڑا بابرکت ہے اللہ سارے جہانوں کا مالک و پروردگار۔ اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ زمین پر فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اور خدا ہی کو پکارو خوف کے ساتھ، یقیناً اللہ کی رحمت نیک کرداروں کے قریب ہے۔ (پکارو یعنی بندگی رب کرو یعنی زندگی گزارو۔ دیکھئے بیان القرآن از مولانا اشرف تھانوی)

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ولو اتبع الحق اهواءهم لفسدت السمٰوات والارض ومن فیهن۔ (المومنون ۷۱)

ترجمہ: اور حق اگر کہیں ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین اور آسمان اور ان کی ساری آبادی کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قالت ان الملوك اذا دخلوا قریة افسدوها۔ (النمل ۳۴)

ترجمہ: ملکہ نے کہا کہ بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب اور تہہ و بالا کر دیتے ہیں۔

۴۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علواً کبیرا۔ (الاسراء ۴)

ترجمہ: (پھر ہم نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کو اس بات پر متنبہ کر دیا تھا کہ) تم دو مرتبہ زمین میں فساد عظیم برپا کرو گے اور بڑی سرکشی دکھاؤ گے۔

(لتفسدن کا مطلب ہے حقوق اللہ اور اس کی ادائیگی میں فساد برپا کرنا اور لتعلن کا مطلب ہے حقوق العباد اور اس کی ادائیگی میں فساد برپا کرنا۔ ملاحظہ ہو بیان القرآن)

۵۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قالوا تاللہ لقد علمتم ماجئنا لنفسد فی الارض۔ (یوسف۔ ۷۳)

ترجمہ: (ان بھائیوں نے) کہا خدا کی قسم تم لوگ خوب جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے ہیں

۶۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

واذا تولیٰ سعیٰ فی الارض لیفسد فیہا۔ (البقرہ ۲۰۵)

ترجمہ: اور جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری تگ و دو اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے۔

۷۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وما یضل بہ الا الفاسقین الذین ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض۔ (البقرہ ۲۷)

ترجمہ: (وہ) جو فاسق ہیں، اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں، اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ (یعنی جملہ تعلقات شرعیہ)

۸۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ زدناھم عذاباً فوق العذاب بما کانوا یفسدون۔ (النحل ۸۸)

ترجمہ: جن لوگوں نے خود کفر کی راہ اختیار کی اور دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکا انہیں ہم عذاب پر عذاب دیں گے۔ اس فساد کے بدلے جو وہ دنیا میں کرتے رہے

۹۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وکان فی المدینۃ تسعۃ رھط یفسدون فی الارض ولا یصلحون۔ (النمل ۴۸)

ترجمہ: اس شہر میں نو جتھے دار تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے اور کوئی اصلاح کا کام نہ کرتے تھے۔

(ضحاک کا قول ہے: وہ نو لوگ اس زمین کے بڑے تھے (کان ھؤلاء التسعۃ عظماء اھل المدینۃ) اور حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ انہوں نے ہی اونٹنی کو ذبح کیا تھا۔ فساد پھیلانے میں نہ عناصر ایک دوسرے کے حلیف تھے (ملاحظہ ہو زاد المسیر ۱۸۲/۶ اور البحر المحیط ۸۵/۷)

۱۰۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل۔ (البقرہ ۲۰۵)

ترجمہ: کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے۔

۱۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

واحسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض۔ (القصص ۷۷)

ترجمہ: احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر۔

(قارون کی فساد انگیزی کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا "فبغی علیھم"، یعنی وہ اپنی قوم کے خلاف سرکش ہوگیا۔ طبری کا قول ہے ای تجاوز حدہ فی الکبر والتجبر علیھم (تفسیر طبری ۶۸/۲۰) یعنی وہ اپنی قوم کے خلاف تکبر اور ان پر جبر کرنے کے معاملے میں حدود کو تجاوز کر چکا تھا۔ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ حد اقتصاد سے باہر نکل جانے کی طلب بغی ہے خواہ کوئی باہر نکلا ہو یا نہ نکلا ہو۔ مولانا تھانویؒ سورہ النحل آیت ۹۰ کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "مامورات میں اعتدال عام ہے قوت علمیہ اور عملیہ کو۔ اس میں سارے عقائد و اعمال ظاہرہ و باطنہ، غرض تمام شرائع داخل ہوگئے۔" آگے فرماتے ہیں۔ اسی طرح منہیات میں منکر عام ہے تمام امور خلاف شریعت کو۔" آگے چل کر وہ فرماتے ہیں۔ "احسان خیر میں متعدی الی الغیر ہے تو اس کے برخلاف بغی ضرر میں متعدی الی الغیر ہے۔"

لہٰذا سورۃ القصص آیت ۷۷ میں احسان و بغی کا ذکر قابل غور ہے۔ یہاں سیاق و سباق اس پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ بغی بالآخر انسان کو شرک فی الذات یا فی الصفات تک لے جاتا ہے اور انسان بغی کے راستے سے اللہ کی صفت کمالیہ کا انکار کرکے یا اس میں کسی کو شریک ٹھہرا کر شرک میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور یہ افسد الفساد ہے۔ خواہ علم کی سطح پر ہو یا عمل کی سطح پر۔ آیت ۶۸ تا ۷۳ میں جن صفات کمالیہ کا تذکرہ ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) خالق ہونا۔ (۲) مختار تشریع ہونا۔ (۳) علم۔ (۴) حکومت۔ (۵) قوت و وسعت سلطنت (۶) قدرت۔ (۷) افاضہ نعمت۔

۱۲۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الذین طغوا فی البلاد۔ فاکثروا فیہا الفساد۔ (الفجر ۱۲)

ترجمہ: یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا کے ملکوں میں بڑی سرکشی کی تھی اور ان میں بہت فساد پھیلایا تھا۔

(مزید ملاحظہ ہو الاعراف ۶۹، الحجر، الشعراء ۱۲۸۔۱۳۹ الحم سجدہ ۱۵ تا ۱۲)

۱۳۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

انما جزآؤ الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فساداً (المائدہ ۳۳)۔

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین پر اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے کہ فساد برپا کریں۔

اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ اور عدوان فساد ہے جو مختلف صورتحال کو شامل ہے۔

(۱) نظامِ حق اور حکومتِ عادلہ میں رہ کر کفر کو تقویت دینا، حق کے خلاف سازش کرنا اور مومنوں کے مابین تفرقہ ڈالنا اور اسلام دشمنوں کو اخلاقی، مالی یا مادی مدد کرنا یا پناہ دینا (لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل سورۃ التوبۃ آیت ۱۰۷)

(۲) نظامِ حق اور حکومت عادلہ میں سود کا جاری کرنا یا جاری رکھنا (فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ البقرہ آیت ۲۷۹)

• (۳) نظامِ حق کے اندر سے یا باہر سے فساد برپا کرنے اور اسے درہم برہم کرنے کی کوشش کرنا مثلاً قتل و غارت اور رہزنی اور ڈکیتی یا اس نظام کو اکھاڑ پھینکنے کی کوشش۔ (انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ۔ المائدہ ۳۲)

۱۴۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ویٰقوم اوفوا المکیال والمیزان بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین (ھود ۸۵)

ترجمہ: اور اے میری قوم تم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو انصاف سے اور لوگوں کا ان چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور زمین میں فساد کرتے ہوئے حد سے مت نکلو۔

۱۵۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان فرعون علا فی الارض وجعل اھلہا شیعا یستضعف

ترجمہ: واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کردیا

طائفۃ منھم یذبح ابناء ھم ویستحی نساء ھم انہ کان من المفسدین۔ (القصص۔ ۴)

ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا اس کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔

علا فی الارض یعنی زمین میں سر اٹھانا، باغیانہ روش اختیار کرنا، مقام بندگی سے اٹھ کر اپنے کو مقام خود مختاری پر فائز کرنا اور خلق خدا کے حقوق سلب کر لینا اور ان کی جان و حرمت کا مالک بن جانا اور زمین کے خزانوں اور اللہ کی پیدا کردہ متاع حیات میں غاصبانہ تصرف کرنا سب فساد میں داخل ہے۔

ان آیات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ زمین پر فساد کن کن طریقوں سے برپا ہوتا ہے۔

فساد کا ظاہر ہونا بالآخر مختلف اقسام کی خرابیاں اور نقصانات پیدا کرتا ہے جو انسانیت کے لیے موجب ہلاکت ہوتی ہیں۔

آیت قرآنی ظھر الفساد.... الخ اسی کی جامع معلوم ہوتی ہے۔

اس ذیل میں علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔

ظھر الفساد فی البر والبحر کالجدب والموتان وکثرۃ الحرق والغرق واخفاق الغاصۃ ومحق البرکات وکثرۃ المضار والضلالۃ و الظلم ...... بما کسبت ایدی الناس بشوم معاصیھم او بکسبھم ایاہ۔ (انوار التنزیل للبیضاوی ج ۳ ص ۱۶۱)

ترجمہ: بحر و بر میں فساد کا ظہور مثلاً خشک سالی قحط اموات، آتش زنی، سیلاب و غرقابی بحری اور آبی اشیا کی پیداوار میں کمی، برکتوں کا ختم ہو جانا اور نقصانات کی کثرت، گمراہی اور ظلم کا بڑھ جانا...... یہ سب انسان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے جو اس کے گناہوں اور بداعمالیوں کے نتیجے میں ہوتا ہے۔

اسی ضمن میں علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔

نحو الجدب والقحط، وقلۃ الریع فی الزراعات والربح فی التجارات ووقوع الموتان فی الناس، و الدواب وکثرۃ الحرق والغرق واخفاق الصیادین والغاصۃ ومحق البرکات من کل شئ، وقلۃ المنافع

ترجمہ: جیسے خشک سالی، قحط، زراعتی پیداوار میں کمی، تجارتی منافعوں میں نقصان، انسانوں اور مواشی کی اموات کا زیادہ واقع ہونا، آتش زنی اور غرقابی کی زیادتی، خشکی و تری کے شکار اور دوسری پیداوار میں کمی، تمام چیزوں میں برکت کا کم ہو جانا، منافعت کی کمی اور نقصانات کا اضافہ

فی الجملة وکثرة المضار وعن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اجدبت الارض و انقطعت مادة البحر وقالوا اذا انقطع القطر عمیت دواب البحر۔ (الکشاف ج۳ ص۲۲۴)

اور ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ زمین خشک ہوجاتی ہے، تری کے ذرائع منقطع ہوجاتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ جب بارش نہیں ہوتی تو بحری جاندار اندھے ہوجاتے ہیں۔

یہ خرابیاں اور نقصانات اور ان کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتیں لازمی نتیجہ ہیں اللہ اور اس کے احکام کی اطاعت سے روگردانی کا۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

ای بان النقص فی الزروع والثمار بسبب المعاصی لان صلاح الارض والسماء بالطاعة۔

ترجمہ: زراعتی پیداوار اور پھلوں میں کمی گناہوں کے سبب ہوتی ہے اس لیے کہ زمین اور آسمان کی صلاح اطاعت الٰہی پر موقوف ہے۔

(مختصر ابن کثیر ۵۷)

(بقیہ ص۱۸ سے)

وقت اپنے فاقہ زدہ اور بھوکے ومسکین پڑوسی سے صرفِ نظر نہیں کرنی چاہیئے، جیساکہ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت بھی منقول ہے، فرماتے ہیں سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لیس المومن بالذی یشبع وجاره جائع الی جنبه حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ شخص ہرگز کامل مومن نہیں ہوسکتا جو خود تو پیٹ بھر کر کھالے اور اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا ہو۔

بہرحال کسی بھی کامل مسلمان کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور پڑوسی فاقوں سے مرتا رہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے پڑوسی کے حالات سے بے خبر اور لاپرواہ ہو اس سے بڑا غافل اور لاپرواہ کون ہوسکتا ہے۔

(بقیہ ص۳۵ سے)

اس کتاب کا بلند الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ علامہ رشید رضا نے "انجیل برنا باس" کے عربی ترجمہ کے مقدمہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

عیسائیوں کے حلقے میں اس کتاب کے بارے میں کیا تاثر ہے وہ صرف ایک جملہ سے واضح ہوجاتا ہے جو برطانیہ کے ایک اہم اخبار نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"اگر لوگ اس کتاب کو پڑھتے رہے تو دنیا میں عیسائیت کو کبھی فروغ نہیں ہوسکتا"

جناب ڈاکٹر غلام فرید بھٹی صاحب

صہیونیت۔ایک خطرناک یہودی تحریک

صہیون (ZION) قدیم یروشلم کی ایک پہاڑی کا نام ہے۔ یہودی عقیدے کے مطابق حضرت داؤد علیہ اسلام نے اس پہاڑی پر ایک عبادت خانہ تعمیر کیا جہاں وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ حضرت داؤد بنی اسرائیل کے ایک اہم پیغمبر تھے لہٰذا اس پہاڑی کو مقدس سمجھا جانے لگا۔ یہودیوں نے اپنے عالمی قومی مقاصد کی تکمیل کے لیے اسے ایک علامت بنا لیا۔ اسی سے لفظ صہیونیت (ZIONISM) بنا ہے۔

صہیونیت ایک ایسی تحریک کا نام تھا کہ جس کے مقاصد میں یہودیوں کی منتشر قوم کے لیے فلسطین میں ایک وطن کا قیام شامل تھا۔ اسرائیل کے قائم ہو جانے کے بعد اس تحریک کا اہم مقصد پورا ہو گیا۔ اسرائیل کا قیام بذات خود ایک مقصد نہیں بلکہ ایک بڑے مقصد کا ایک حصہ ہے۔ صہیونیت کا اصل مقصد یہ ہے کہ پوری دنیا میں یہودی اثر و رسوخ قائم ہو جائے۔ اسرائیل کے قیام سے یہودیوں کو ایک ایسا سیاسی ٹھکانا مل گیا جہاں سے وہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے اپنے عالمی منصوبے پر زیادہ آسانی سے عمل درآمد کر رہے ہیں۔

صہیونیت (ZIONISM) ایک جامع اصطلاح ہے جس میں وہ تمام کارروائیاں شامل ہیں کہ جو یہودی مقاصد کی تکمیل کے لیے ضروری ہوں۔ یہ تحریک زندگی کے سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور معاشی پہلوؤں پر حاوی ہے۔ یہ ایک قسم کی قومی تحریک بھی ہے جو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے دہشت گردی، تشدد اور ظلم و جبر کے تمام حربوں کو جائز سمجھتی ہے۔

اس تحریک میں ہر یہودی بلا تفریق ملک و قوم اسرائیل کا وفادار ہے، دوسری تمام وفاداریاں اس کے تحت آتی ہیں۔ اگست ۱۸۹۷ء میں باسل (BASLE) کے مقام پر صہیونیوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں صہیونی تحریک کی تاریخ کا ایک اہم اعلامیہ جاری ہوا جس کے مطابق صہیونیت فلسطین میں یہودیوں کی خاطر ایک وطن کے قیام کی جدوجہد کر رہی ہے جہاں یہودیوں کو تمام شہری حقوق حاصل ہوں گے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کانفرنس یہ فیصلہ کرتی ہے کہ۔

فلسطین میں یہودی کسانوں، مزدوروں اور کاریگروں کی آبادکاری کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

مقامی قوانین اور حالات کے تحت تمام ملکوں میں یہودیوں کی تنظیمیں قائم کی جائیں جو ایک عالمی تنظیم کے تحت ہوں گے ۔

یہودیوں میں نسلی تفاخر کا احساس اور شعور بیدار کیا جائے ۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے سرکاری منظوری حاصل کرنے کے لیے ابتدائی اقدامات کیے جائیں ۔

یہودیوں نے محولہ بالا کانفرنس کے اعلامیے کی روشنی میں جو اقدامات کیے ان کا خلاصہ درج ذیل سطور میں بیان کیا جا رہا ہے ۔

برطانیہ کا کردار

برطانیہ کے یہودی صہیونیت کی تحریک کو آگے بڑھانے میں پیش پیش تھے ۔ برطانوی سرمایہ داروں نے برطانوی یہودیوں کی عملی مدد کی ۔ بڑے بڑے کاروباری اداروں نے صحافیوں کی خدمات حاصل کیں تاکہ فلسطین میں ایک یہودی حکومت کے قیام کے لیے رائے عامہ کو ہموار کیا جائے ۔ یہودیوں نے ترکی کے سلطان عبدالحمید سے مراعات حاصل کرنے کے لیے کوشش شروع کر دی تاکہ فلسطین میں ایک خودمختار یہودی حکومت کے قیام کے لیے راہ ہموار کی جائے ۔ اس مقصد کے لیے ۱۸۹۸ء میں یہودیوں نے جرمنی کے قیصر ولیم کی خدمات بھی حاصل کیں ۔ لیکن سلطان عبدالحمید نے صاف انکار کر دیا ۔

یہودیوں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں ۔ اب انہوں نے سلطان عبدالحمید کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے ترکی میں خفیہ تنظیم قائم کر دی اور زیر زمین سلطان کے خلاف کام کرنے لگے ۔ ان خفیہ سرگرمیوں کے نتیجے میں ۱۹۱۳ء میں شوکت پاشا نے فوج کی مدد سے سلطان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا ۔ جب نئی حکومت نے اپنی کابینہ تشکیل دی تو اس میں تین یہودی نژاد وزیر شامل تھے ۔ جن کو تعمیرات عامہ، تجارت، وزراعت اور مالیات کے محکمے سپرد کیے گئے ۔ فلسطین میں عمل دخل حاصل کرنے کے لیے یہودیوں کی یہ پہلی کامیابی تھی ۔

۱۹۱۴ء میں ان تینوں یہودی وزراء نے ترک حکومت سے ایک قانون پاس کرایا کہ یہودیوں کو فلسطین میں جائیداد بنانے کی اجازت دی جائے ۔ اس طرح تاریخ میں پہلی مرتبہ یہودیوں کو فلسطین میں اپنی تنظیمیں اور ادارے قائم کرنے کا موقع ملا ۔ ان قوانین کے نتیجے میں سلطان کی فلسطینی جاگیریں بکنا شروع ہو گئیں ۔ یہ زمینیں نہایت زرخیز تھیں اور یہودیوں نے مشترکہ طور پر خریدنا شروع کر دیں ۔

پہلی جنگ عظیم کے اختتام سے کچھ عرصہ پہلے جب یہ بات واضح ہو گئی کہ جرمنی اتحادیوں کے ہاتھوں شکست کھا جائے گا تو یہودیوں نے اتحادیوں پر زور دیا کہ ان کے لیے فلسطین میں ایک یہودی ریاست قائم کی جائے جو کہ برطانیہ کے زیر تحفظ ہو گی ۔ اس کے بدلے میں دنیا بھر کے یہودی جنگ میں جرمنی کے خلاف اتحادیوں کی مدد کریں گے ۔ برطانیہ کو اس بات کا یقین دلایا گیا کہ ریاست مذکور کے قیام سے برطانیہ کیلئے

ہندوستان کا بحری راستہ محفوظ ہو جائے گا ۔

بعدازاں یہودیوں نے اتحادی ملکوں بالخصوص برطانیہ اور امریکہ میں اپنا پروپیگنڈہ تیز کر دیا تاکہ باسل BASLE میں ہونے والی عالمی یہودی کانفرنس کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنایا جا سکے ۔ ان فیصلوں کا مقصد یہودیوں میں عالمگیر اتحاد پیدا کر کے فلسطین میں یہودیوں کے لیے ایک خود مختار ریاست کا قیام تھا ۔ ۱۹۱۷ء میں اپنے شبانہ روز پروپیگنڈے اور ڈپلومیٹک سرگرمیوں کی وجہ سے یہودیوں نے انگریزوں سے مشہور زمانہ "اعلان بالفور" کروالیا۔

اس اعلان کی رو سے برطانیہ اور فرانس نے عرب ملکوں کو آپس میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا ۔ چونکہ یہودی اور عرب دونوں قوموں نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف اتحادیوں کی بھرپور مدد کی تھی، لہٰذا سلطنت عثمانیہ کی شکست کے بعد کچھ عرب علاقے عربوں کو اور کچھ علاقے یہودیوں کو مال غنیمت کے طور پر دیئے گئے ۔ یہودیوں کو فلسطین کا وہ علاقہ ملا جو آج اسرائیل کہلاتا ہے ۔ اور عربوں کو سعودی عرب، اردن اور عراق کا علاقہ ملا ۔

اس طرح جنگ عظیم اول ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کے خاتمے تک صہیونیت سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ کرتے ہوئے اسرائیل کے قیام کی راہ ہموار کر کے اپنے مقاصد کا اہم حصہ حاصل کر چکی تھی ۔

۱۹۲۱ء میں لیگ آف نیشنز (LEAGUE OF NATIONS) نے فلسطین کو برطانوی انتداب (MAND-ATE) میں دے دیا تو امریکی کانگریس نے ایک قرارداد منظور کی جس کی رو سے امریکہ نے فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کی حوصلہ افزائی کرنا کا عہد کیا ۔ دو سال بعد امریکہ نے ایک خاص فرمان پر دستخط کیے جس کی رو سے اعلان بالفور (BALFOUR DECLARATION) اور فرمان انتداب (MANDATE) میں کسی بھی قسم کی تبدیلی سے پہلے امریکہ کی منظوری لازمی قرار دی گئی ۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ صہیونی تحریک شروع ہی سے عربوں کے خلاف جارحانہ عزائم رکھتی تھی ۔ صہیونی تحریک نے ہمیشہ سامراجی قوتوں کا ساتھ دیا جن کی پالیسی کا مقصد عربوں کے درمیان انتشار اور جھگڑے پیدا کرنا تھا ۔ برطانوی دور انتداب کے دوران فلسطین میں انگریزوں کی پالیسی مندرجہ ذیل تھی ۔

۱۔ یہودیوں کی فلسطین میں نقل مکانی کی حوصلہ افزائی کی جائے ۔

۲۔ یہودیوں کے ہاتھ مقامی عربوں کی زمینیں فروخت کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے ۔

۳۔ یہودیوں کو مختلف سماجی اور معاشی ادارے قائم کرنے کی اجازت دی جائے ۔ اس کے برعکس عربوں کو اس حق سے محروم رکھا جائے ۔

۴۔ یہودیوں کو فوجی تربیت حاصل کرنے کی تمام ممکن سہولتیں فراہم کی جائیں ۔

۵ - فلسطین میں برطانوی اور امریکی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ اسرائیل میں ان کی صنعتوں کو ترقی میں مدد مل سکے اور یہودی اپنی مرضی کے مطابق وہاں زندگی بسر کر سکیں۔

اس پالیسی کا مقصد عربوں کی صنعتی ترقی کو ختم کرنا اور انہیں بے روزگاری کی مصیبت میں مبتلا کرنا تھا نیز یہودیوں کی مزدور تحریک کی ترقی اور اسے یہودی ریاست کے قیام کے لیے ایک ریزرو فورس بنانا تھا۔ جنگ عظیم دوم ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء کے دوران یہودی تنظیموں کے ذریعے یہودیوں کو فوجی تربیت دی گئی۔ چونکہ یہودی فوج اتحادیوں کی فوج کا ایک حصہ تھی اس لیے یہودی فوجوں اور ان کے تحت کام کرنے والی فوجی تنظیموں کے ہاتھوں فلسطینی عربوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔

اقوام متحدہ کا کردار

جنگ عظیم دوم اتحادیوں کی فتح پر ختم ہوئی تو برطانیہ نے فلسطین کی حفاظت کے سلسلہ میں کسی قسم کی مزید ذمہ داری اٹھانے سے معذوری کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان اس وقت کیا گیا جب کہ برطانیہ یہودیوں کی ایک ترتیب یافتہ اور مسلح فوج تیار کرنے میں پوری مدد دے چکا تھا۔ اور جب کہ فلسطین میں یہودی تارکین وطن کی تعداد چھ لاکھ ہو چکی تھی۔ اس کے بعد امریکہ نے فوری طور پر ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کر دیا جس کا مقصد مسئلہ فلسطین کا حل تلاش کرنا تھا۔ فروری ۱۹۴۷ء میں برطانوی حکومت نے مسئلہ فلسطین اقوام متحدہ میں پیش کر دیا تاکہ اس کا کوئی حل تلاش کیا جا سکے۔ اس عالمی تنظیم نے اس کا یہ حل پیش کیا کہ فلسطین کو عربوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے تقسیم ملک یعنی فلسطین کے اصول کی حمایت کر کے اس کو یہودیوں اور عربوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ دے دیا۔

یہودی اگرچہ فلسطین کی صرف سات فیصد زمینوں پر قابض تھے لیکن اقوام متحدہ نے انہیں کل رقبہ کا ۵۵ فیصد دے دیا تاکہ وہ اپنی ریاست قائم کر سکیں۔ یہودیوں کو دیا جانے والا علاقہ فلسطین کا زرخیز ترین علاقہ تھا۔ اور یہ سب کچھ اس ادارے کی وساطت سے ہوا جو دنیا میں حق و انصاف اور آزادی و مساوات کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔

اسرائیل کا قیام

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی اس قرارداد کا اعلان ہوتے ہی اتحادی اسلحہ سے مسلح یہودی دستوں نے یہودی ریاست میں شامل ہونے والے مجوزہ علاقوں میں، نیز جن علاقوں پر یہودی مزید قبضہ کرنا چاہتے تھے ان میں عربوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ باوجودیکہ ان میں سے کچھ علاقے اقوام متحدہ نے عربوں کو الاٹ کیے تھے۔ یہ سب کچھ انگریزوں کی موجودگی میں ہوا جو اس وقت بھی اس علاقے کے نظم و نسق کے ذمہ دار تھے۔ یہودیوں کی اس دہشت انگیزی کے نتیجے کے طور پر تین لاکھ عرب بے گھر ہو گئے۔ (بقیہ صـ ۵۳ پر)

جناب طالب ہاشمی صاحب

سیدنا حضرۃ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

اخلاق و عادات

(۲)

سادگی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا دوسرا دور آسودگی اور خوش حالی کا تھا لیکن وہ فطرتاً سادہ مزاج تھے۔ اس دور میں بھی اپنی سادہ وضع قائم رکھی۔ مدینہ کی امارت کے زمانے میں شہر سے نکلتے تو گدھا سواری میں ہوتا، اس پر نمدے کا پالان کسا ہوتا تھا اور اس کی لگام کھجور کی چھال کی ہوتی تھی۔ (طبقات ابن سعد جزد ہم ق ۲ صہ ۶)

ماضی میں انہوں نے جو سختیاں جھیلی تھیں اور تنگ دستی کا جو زمانہ گزارا تھا اس کو کبھی نہ چھپاتے تھے اور بے تکلفی کے ساتھ لوگوں کو اپنے زمانۂ عسرت کے حالات سنایا کرتے تھے۔

عبرت پذیری ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کے دستر خوان پر چپاتیاں آئیں۔ وہ چپاتیوں کو دیکھ کر رونے لگے اور کہنے لگے، اللہ اللہ آج ہم چپاتیاں کھاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی میں شاید ہی کبھی چپاتی کھائی ہو (سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب النفاق)

ایک دفعہ کتان کے دو رنگے ہوئے کپڑے پہنے۔ ایک سے ناک صاف کر کے کہا، واہ ابوہریرہ رضؓ آج تم کتان کے کپڑے سے ناک صاف کرتے ہو۔ حالانکہ کل تمہاری یہ حالت تھی کہ منبر نبوی اور حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے کے درمیان بھوک کی وجہ سے گرے ہوئے ہوتے اور لوگ تمہیں پاگل سمجھتے۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام)

حق گوئی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق بات کہنے میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ مروان بن الحکیم کی امارتِ مدینہ کے زمانے میں (غلہ کھجور وغیرہ کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں) ہنڈی کا رواج چل پڑا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ کو معلوم ہوا تو وہ فوراً مروان کے پاس گئے اور اس سے کہا، تم نے سود حلال کر دیا۔

اس نے کہا، معاذ اللہ میں ایسا کیوں کرنے لگا۔

انہوں نے فرمایا، تم نے ہنڈی کو رائج کیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیائے خوردنی کی اس وقت تک فروخت کی ممانعت فرمائی ہے جب تک پہلا خریدار ان کو ناپ نہ لے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا ارشاد سن کر مروان نے ہنڈی کے ذریعے غلے وغیرہ کی خرید و فروخت کو ممنوع قرار دیا۔
(صحیح مسلم کتاب البیوع باب بیع المبیع قبل القبض)

ایک دفعہ امیر مدینہ مروان بن الحکم کے ہاں گئے تو اس کے مکان میں تصویریں آویزاں دیکھیں (ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے مروان کو تصویریں بناتے دیکھا) حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو میری مخلوق کی طرح مخلوق بناتا ہے۔ اگر تخلیق کا دعویٰ ہے تو کوئی ذرّہ غلہ یا جَو تو پیدا کر کے دکھائے۔ (مسند احمد ج ۲ احادیث ابوہریرہؓ)

حسنِ معاشرت والدین، اعزہ و اقارب، دوست احباب، پاس پڑوس اور محلہ و شہر کے لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے اور مناسب برتاؤ کرنے کا نام معاشرت ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حسنِ معاشرت کی جو تعلیم دی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا مکمل نمونہ تھے۔ والدہ کے ساتھ ان کے حسنِ سلوک کا حال پچھلے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی ان کا سلوک انکسار و تواضع کا ہوتا تھا۔ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں سے بے پناہ محبت کرتے دیکھ چکے تھے۔ اس لیے وہ بھی بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ ان کو کھیلتا دیکھتے تو ان میں گھس جاتے اور ان کو ہنسانے کی کوشش کرتے بلکہ بچوں میں بچہ بن جاتے اور ایسی حرکتیں کرتے کہ وہ خوش ہو جاتے۔ ابنِ عساکرؒ کا بیان ہے کہ وہ بچوں میں بیٹھ کر کھانا کھاتے اور ان کو بڑی شفقت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ (ابنِ عساکر ج ۷ ص ۲۴۶)

مہمانوں کی خاطر تواضع نہایت خوشدلی سے کرتے تھے۔ مہمان ان کے پاس کتنا ہی عرصہ قیام کرے وہ انقباض محسوس نہیں کرتے تھے اور اس کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہ کرتے تھے۔ الطفاویؒ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ میں حضرت ابوہریرہؓ کے پاس چھ مہینے قیام کیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کو ابوہریرہؓ سے بڑھ کر مہمان نوازی اور مہمانوں کی مدارات کرنے میں مستعد نہیں دیکھا۔
(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ تذکرہ حضرت ابوہریرہؓ، سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۴۲۸)

ابو عثمان نہدیؒ کا بیان ہے کہ میں سات دن ابوہریرہؓ کا مہمان رہا۔ ابوہریرہؓ، ان کی اہلیہ اور ان کا خادم باری باری رات کو جاگ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۴۳۸)

مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ مہمان نوازی صحابۂ کرامؓ کا عام وصف تھا تاہم لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے بڑھ کر مہمان نواز کم صحابی تھے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۵۳۸)

فیاضی اور سیر چشمی

فیاضی اور سیر چشمی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص وصف تھا۔ مدینہ منورہ میں اپنا مکان اپنے غلاموں کو کوئی معاوضہ لیے بغیر دے دیا تھا۔ اپنا مال بے دریغ راہِ خدا میں لٹاتے رہتے تھے۔ صدقہ و خیرات کرنے میں روحانی مسرت محسوس کرتے تھے۔ ایک دفعہ مروان بن الحکم نے انہیں سو دینار بھیجے۔ انہوں نے یہ سب کے سب اللہ کی راہ میں دے دیئے۔ دوسرے دن مروان نے انہیں کہلا بھیجا کہ کل جو دینار آپ کو بھیجے تھے، وہ کسی اور کے لیے تھے، آپ کو غلطی سے چلے گئے۔ یہ دینار واپس بھیج دیجئے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے پیغام لانے والے کے ذریعے جواب دیا کہ وہ دینار میں نے کسی (حاجت مند) کو دے دیئے۔ انہیں میرے وظیفے سے وضع کر لیجئے گا۔ دراصل مروان کا مقصد صرف ان کو آزمانا تھا۔

(طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۶۳ ۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۴)

لوگوں کو کھلا پلا کر بہت خوش ہوتے تھے۔ عبداللہ بن رباحؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جب آدمیوں کا وفد امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دمشق گیا۔ اس وفد میں ہم اور حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ دمشق کے دورانِ قیام میں ہمارا معمول تھا کہ ہم ایک دوسرے کو کھانے پر بلایا کرتے تھے وہ سب سے زیادہ دعوت کرتے تھے۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۵۳۸)

خوش مزاجی (زندہ دلی)

حضرت ابوہریرہؓ کے علم و فضل اور وقار و متانت میں تو کوئی کلام نہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بڑے خوش مزاج اور زندہ دل تھے۔ امارت مدینہ کے زمانے میں جو لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر گھر لے جاتے تھے۔ ایک دن اسی حالت میں بازار سے گزر رہے تھے کہ راستے میں ثعلبہ بن ابی مالک القرظی ملے۔ ان سے کہنے لگے۔

"ابو مالک! اپنے امیر کے لیے راستہ کھلا چھوڑ دو۔"

انہوں نے کہا، اللہ آپ پر رحم فرمائے، راستہ تو آپ کے گزرنے کے لیے بہت کشادہ ہے۔"

(ہنستے ہوئے) فرمایا، (بھائی دیکھتے نہیں) تمہارا امیر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے ہے اس کے راستہ کھلا کر دو۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۱۳)

کبھی سواری پر جا رہے ہوتے اور کوئی سواری کے سامنے آجاتا تو ازراہِ مذاق سناتے، راستہ چھوڑ دو امیر کی سواری آ رہی ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۶)

حضرت ابورافع بیان کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ (اپنی امارتِ مدینہ کے زمانے میں کبھی کبھی) مجھے رات کے کھانے کی دعوت دیتے تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے وہ (ہنس کر) کہتے، اپنے امیر کے لیے ہڈی تو باقی رہنے

دو حالانکہ روٹی کے ساتھ صرف روغنِ زیتون ہوتا اور گوشت کا نام و نشان بھی موجود نہ ہوتا۔

(طبقات ابنِ سعد جلد ۲ ص ۶۰)

بچوں کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ کی محبت اور شفقت کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ بچوں کو کوّے کا کھیل کھیلتے دیکھتے تو ان میں اس طرح گھس جاتے کہ انہیں پتہ تک نہ چلتا۔ ایک پاگل آدمی کی طرح اپنے پاؤں زمین پر مار کر ان کو ہنسانے کی کوشش کرتے۔

ان روایات سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ بہت زندہ دل تھے اور بچوں کی نفسیات سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔

اپنے مہمانوں کے ساتھ بھی حضرت ابوہریرہؓ کا رویہ ایسا ہوتا کہ وہ اپنے دورانِ قیام میں خوش خوش رہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ خوش طبعی (ہنسی مذاق) کی باتوں سے مہمانوں کا دل موہ لیتے اور وہ ہمیشہ ان کی خوش اخلاقی اور شگفتہ مزاجی کو یاد رکھتے۔

(سوانح حضرت ابوہریرہؓ از محمد عجاج الخطیب۔ دفاع ابی ہریرہؓ از مفتی غلام الرحمٰن)

جوشِ عقیدت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ وہ اکثر حدیث بیان کرتے وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ایسے والہانہ انداز میں کرتے جس سے ظاہر ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عقیدت عشق کے درجے تک پہنچی ہوئی ہے اور ان کا جوشِ عقیدت الفاظ کے سانچے میں ڈھل گیا ہے۔ کبھی روایت کا آغاز ان الفاظ سے کرتے۔

"میرے (بہترین۔ سب سے پیارے) دوست ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قَالَ خلیل ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم)" کبھی ان الفاظ سے۔

"میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قال حبیبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم)"

کبھی پیرایۂ آغاز کے الفاظ یہ ہوتے۔

"الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"

کبھی صرف اتنا کہہ پاتے۔ قَالَ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

اور ان پر گریہ طاری ہو جاتا اور روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتیں۔ کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ کا اسمِ گرامی لیتے ہی وہ غش کھا کر گر پڑتے اور بڑی مشکل سے حدیث بیان کرتے۔

(مسند احمد جلد ۱۳ ص ۲۴۶ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۰۶۔ سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۴۲۸)

ایک دفعہ وہ حالتِ جنابت میں مدینہ منورہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ اچانک رسول اکرم صلعم

سے ملاقات ہوگئی۔ آپؐ نے حضرت ابوہریرہؓ کا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی لیکن جونہی آپؐ ایک جگہ پہنچ کر رونق افروزِ مجلس ہوئے تو وہ چپکے سے اٹھ کر گھر پہنچے اور غسل کرنے کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوگئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، ابھی تک تم کہاں تھے؟ انہوں نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہؐ! میں نے جنابت کی حالت میں آپؐ کی ہم نشینی کو اچھا نہیں جانا اور غسل کر کے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔" (صحیح بخاری ج ۱ ص۴۲)

سنہ ہجری میں مسجدِ نبوی کی مرمت اور توسیع کا کام شروع ہوا تو رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر اینٹیں ڈھونے لگے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے دیکھا کہ آپؐ نے اتنی زیادہ اینٹیں اٹھا رکھی ہیں کہ اینٹیں آپؐ کے سینہ مبارک تک پہنچی ہوئی ہیں اور آپؐ تکلیف محسوس کر رہے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ بے تاب ہوگئے اور عرض کیا، اے اللہ کے حبیب! یہ اینٹیں مجھے دے دیجیے میں پہنچا دیتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اینٹیں تو بہت ہیں جاؤ ان کے علاوہ اور اٹھا لاؤ یہ میرے لیے چھوڑ دو۔ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

"جاؤ ان کے علاوہ اور لے آؤ تم اللہ سے نیکیاں حاصل کرنے میں مجھ سے زیادہ حاجت مند نہیں۔"

(مجمع الزوائد جلد ۲ ص۹، تاریخ مدینۃ المنورہ ص۱۰۱ از مولانا محمد عبدالمعبود)

(بقیہ ص ۱ سے)

عربوں نے اس تقسیم کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ صہیونیوں نے اقوام متحدہ کی کارروائیوں کو تیز تر کرتے ہوئے ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو تل ابیب میں یہودی ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا۔ امریکہ، برطانیہ، روس، فرانس اور دیگر سامراجی طاقتوں نے اسے فوری طور پر تسلیم کر لیا۔

اگلے دن عربوں اور یہودیوں کے درمیان مسلح تصادم شروع ہو گئے۔ جو کسی نہ کسی رنگ میں اب تک جاری ہیں۔ صہیونیت کا تعارف اور اسرائیل کے قیام اور عزائم کو جاننے کے بعد یہ ضروری ہو گیا ہے کہ مسلمان اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں۔ اپنے دشمنوں کی سازشوں کی تفصیل اور ان کے طریق کار کو سمجھ کر ان سازشوں کو ناکام بنانے کی کوشش کریں۔ اگر ہم اپنے دشمنوں کے منصوبوں اور ان کے طریق کار سے بے خبر رہے تو امت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا اور امت اسلامیہ یقیناً اس نقصان کی ہرگز متحمل نہیں ہو سکتی ہے۔ (بیت المقدس ۔۔۔)

سنکارا

صحت کا سرچشمہ

ہر گھر کے لیے گھر بھر کے لیے

ہمدرد کا نصب العین تعمیرِ صحت ہے۔ بیماریوں سے پاک تندرست معاشرے کے قیام کے لیے ہمدرد نے ہمیشہ اپنی جد و جہد جاری رکھی ہے۔ آج بھی جب غذا میں عدمِ توازن اور فضا میں آلودگی کے باعث انسان کی قوتِ مدافعت متاثر ہو رہی ہے اور زندگی کی تیز رفتاری کے سبب جسمانی توانائی میں کمی کی شکایت عام ہے، ہمدرد اپنی روایت برقرار رکھتے ہوئے توانائی فراہم کرنے کے لیے نباتی و معدنی مرکب سنکارا پیش کرتا ہے۔

سنکارا صحت بخش مجرب جڑی بوٹیوں اور منتخب معدنی اجزا سے تیار کیا جاتا ہے۔ یہ ایک نہایت موثر نباتی و معدنی مرکب ہے جو تیزی سے توانائی بحال کرتا ہے اور صحت برقرار رکھتا ہے۔

ہر موسم میں ہر عمر کے لیے یکساں مفید **سنکارا** نباتی و معدنی مرکب ہے جو زندگی کو ایک ولولۂ تازہ عطا کرتا ہے

ہمدرد

1/91

مولانا ذاکر حسن نعمانی

اختلاطِ مرد وزن، شرعی ستر وحجاب

باہم دیکھنے اور نکاح کیلئے انتخاب کا مسئلہ

آج کل مردوں اور عورتوں کا اختلاط وبے پردگی اتنی عام ہوچکی ہے کہ نظریں بچانی مشکل ہوگئیں۔ ایک اجنبیہ عورت کو سر سے پاؤں تک اس وقت تک دیکھتے رہتے ہیں جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوجائے یہ ایک ایسا خطرناک مرض ہے جو غالباً موت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ **الا ماشاء اللہ** اس گناہ میں عورتیں برابر کی شریک ہیں۔ ان کا لباس اور بے پردگی کچھ اس طرح ہے کہ لوگوں کو دعوت نظارہ دیتی ہیں اگر خواتین کسی ضرورت کے تحت گھر سے پورے بدن کو چھپا کر نکلتیں تو مرد حضرات اس گناہ کے ارتکاب سے محفوظ رہتے۔ ایسے علاقے بھی ہیں کہ عورتیں جب گھر سے نکلتی ہیں تو جو برقعہ پہنتی ہیں اس سے پورا بدن اس کے اندر مخفی رہتا ہے اور نہ ہی بدن کا کوئی زاویہ نظر آتا ہے۔ ایسے برقعے بھی ہیں کہ بدن تو پورا اس میں مستور رہتا ہے لیکن ایسا چست ہوتا ہے کہ بدن کا ہر حصہ نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے۔ اور برقعے کا رنگ بھی پُرکشش ہوتا ہے۔ تو مریض حضرات اس سے بھی لذت اندوز ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس کا ترک بھی ضروری ہے۔

ذیل کی سطروں میں نظروں (ناظر اور منظور کے اعتبار سے) کی چند قسمیں بیان کی جاتی ہیں کہ کس عورت کی طرف دیکھنا جائز اور کس کی طرف ناجائز ہے۔ لیکن اس سے قبل ستر اور حجاب کا فرق واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں

ستر:۔ عورت اور مرد کے بدن کا وہ حصہ جس کا چھپانا ہر وقت ضروری ہے ضرورت کے وقت اس کا کھولنا جائز ہے۔ مثلاً غسل کرتے ہوتے یا ڈاکٹر اور طبیب کے معائنہ یا آپریشن کے وقت۔ گویا ستر ایک دائمی چیز ہے مرد کیلئے بدن کا جو حصہ چھپانا ضروری ہے وہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے اور عورت سراپا ستر ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے چند اعضا (مثل چہرہ، ہتھیلیاں اور قدم ستر میں داخل نہیں ہیں اگر ان اعضاء کا مستور رکھنا بھی ضروری قرار دے دیا جاتا تو عورت ایک بہت بڑی تکلیف میں مبتلا ہوجاتی۔ گھر کا کام کاج۔ کھانا پینا، عورتوں کے ساتھ ملاقات، نماز وغیرہ، ضروری دنیاوی اور شرعی امور کا ادا کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ شریعت نے کسی پر بھی اس کے برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا۔ **لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا۔**

حجاب:۔ عورت کے بدن کا وہ حصہ جو دائمی ستر میں داخل نہیں۔ لیکن جب ضرورت پڑے تو اس

کو چھپانا چاہیئے ۔ گویا یہ ایک وقتی ضرورت ہے ۔ اس میں دوام نہیں ۔ مثلاً عورت جب گھر میں یا محارم کے ساتھ تھی تو چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھ سکتی تھی ۔ لیکن جب گھر سے کسی ضرورت کے لیے باہر نکلے تو اب ان اعضا پر پردہ ڈال دے ۔ تاکہ شریعت کے حکم کی خلاف ورزی بھی نہ ہو اور فتنہ میں مبتلا ہونے سے مرد اور عورت دونوں محفوظ رہیں ۔ شریعت نے چہرہ اور ہاتھ کو داخل ستر اس لیے نہیں کیا کہ یہ عورت کی ایک اہم اور شدید ضرورت تھی ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت اس طرح گھر سے کھلے چہرے کے ساتھ بلا ضرورت یا ضرورت کے تحت نکلے اور مرد بلا وجہ اس کی طرف دیکھتے رہیں ۔ فتنہ و فساد کی اصل جڑ تو یہی ہے ۔ شریعت نے عورت کے جن اعضاء کو ستر سے مستثنیٰ قرار دیا ہے ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت جب چاہے بن سنور کر ان اعضاء کو کھلا چھوڑ کر باہر نکلے اور لوگوں کو دعوت نظارہ دے یا مردوں کا ایسی عورتوں کی طرف دیکھنا جائز ہو جائے ۔ بلکہ یہ تو کھلی بے حیائی ہے ۔ اسلام ایسی بے حیائی کی قطعاً اجازت نہیں دیتا ۔ مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کی طرف دیکھنے اور نظر کرنے کی چند اقسام اور اُن کے شرعی احکام کی قدرے توضیح پیش خدمت ہے ۔

۱ ۔ <u>نظر جائز</u> :۔ اپنی بیوی اور اس کے علاوہ وہ تمام عورتیں جن کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو ان کی طرف دیکھنا جائز ہے ۔ سورہ نساء کی آیت حُرّمت علیکم امھاتکم الخ میں ان عورتوں کا ذکر ہے ۔ ان عورتوں کی حرمت نسب کی وجہ سے یا سسرالی رشتہ کی وجہ یا پھر رضاعت کی وجہ سے ۔ سورۃ نساء کی آیت میں جن محرمات کا ذکر ہے وہ یہ ہیں ۔ ماں بیٹی بہن پھوپھی، خالہ بھانجی بھتیجی رضاعی ماں رضاعی بہن، ساس، بیوی کی بیٹی، دادی اور نانی اوپر تک سب ماں کے حکم میں داخل ہیں ۔ پوتی اور نواسی نیچے تک سب حکماً بیٹیاں ہیں ۔ سگے اور سوتیلے بھائی بہن بھی اس آیت میں شامل ہیں ۔ مذکورہ تمام رشتوں میں مرد اور عورت کا ایک دوسرے کی طرف دیکھنا جائز ہے ۔ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ ان رشتوں میں ایک دوسرے کی طرف شہوت نہیں بلکہ محبت اور شفقت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ۔ اور پھر ماں کی طرف محبت کی نظر سے دیکھنا ثواب بھی ہے ۔ مشکوٰۃ شریف میں ابوداؤد شریف کے حوالے سے روایت منقول ہے ۔

عن انسٍ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی فاطمۃ بعبدٍ قد وھبہ لہا وعلی فاطمۃ ثوب اذا قنّعت بہ راسھا لم یبلغ رجلیھا واذا غطّت بہ رجلیھا لم یبلغ رأسھا فلما رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما تلقیٰ قال انہ لیس علیک بأس انما ھو ابوک وغلامک ۔

ترجمہ : حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ حضرت فاطمہؓ کے پاس اس وقت آئے جب اُن

کے پاس وہ غلام تھا جو آپؐ نے اُن کو بخشا تھا اور حضرت فاطمہ رضؓ کے پاس ایک کپڑا تھا جب سر ڈھانکتیں تو پاؤں تک نہ پہنچتا تھا، اور جب پاؤں چھپاتی تو سر کھلا رہ جاتا تھا۔ جب حضورؐ نے حضرت فاطمہ رضؓ کی یہ حالت یعنی حیا دیکھی تو فرمایا کہ کوئی بات (مضائقہ) نہیں اس لیے کہ ایک تیرا باپ ہے اور دوسرا تیرا غلام ہے۔

حضرت فاطمہ رضؓ نے جب اپنے عظیم والدؐ کو دیکھا تو حیا کی وجہ سے سر اور پاؤں ڈھانکنے لگی۔ لیکن چادر چھوٹی تھی تو حضورؐ نے فرمایا لیس علیک بأس یعنی کوئی بات نہیں۔ ملا علی قاری مرقات میں لکھتے ہیں۔ لیس علیک بأس بان لا تستری وجہک۔ یعنی تو اگر اپنا چہرہ چھپا نہیں سکتی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ رہی بات غلام کی تو ملا علی قاری فرماتے کہ شاید نابالغ تھا یا یہاں شہوت کا گمان یا شائبہ نہیں تھا۔ امام شافعیؒ تو اس حدیث سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ (محارم نساء) یعنی غیر محرم عورتوں کے ناف سے اوپر بدن کے حصہ کی طرف دیکھنا جائز ہے اور غلام محارم سے ہے۔

بہر حال اس حدیث سے پتہ چلا کہ محارم مرد اور عورتیں ایک دوسرے کی طرف دیکھ سکتے ہیں۔

۲۔ نظر ناجائز:۔ تمام اجنبیہ عورتیں جن کے ساتھ نکاح جائز ہو ان کی طرف دیکھنا ناجائز ہے ان میں ماموں کی بیٹی، چچا کی بیٹی، خالہ کی بیٹی، پھوپھی کی بیٹی وغیرہ شامل ہیں۔ عام لوگ ان کو قریبی رشتہ دار تصور کر کے اختلاط کو جائز سمجھتے ہیں۔ خاص کر تقریبات کے اندر اس کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا۔ غمی اور خوشی کے موقع پر تو ایک دوسری سے گلے ملا جاتا ہے۔ اچھے اچھے دیندار گھرانے اس میں مبتلا ہیں۔ بلکہ ان تقریبات میں اگر کوئی محتاط پردہ کا لحاظ رکھے تو بعض مغرب زدہ حضرات اس کو کہتے ہیں کہ ذرا زیادہ صوفی بن گئے ہو اور تم تو بال کی کھال نکالتے ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ شکووں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ تمہاری بیوی نے مجھ سے پردہ کیا ہے۔ اس کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ پھر آہستہ آہستہ تعلقات ختم ہو جاتے ہیں کیا تعلقات قائم رکھنے اور کسی کی عزت اور اکرام کے لیے بے پردگی ضروری ہے۔ کیا اجنبی کو بیڈ روم اور ڈرائنگ روم میں اپنی بیوی کے ساتھ بٹھانا اور اس کے ساتھ گپیں ہانکنا عزت و اکرام کا جزو لازم ہے اکبر الہ آبادی نے تو ایسے ہی موقع پر کہا تھا۔

شعر
خدا کے فضل سے میاں بیوی دونوں مہذب ہیں
ان میں غیرت نہیں ہے ان میں حجاب نہیں

خاوند کو باغیرت اور بیوی کو حیادار ہونا چاہیئے، سب سے بڑے غیرتمند اللہ کی ذات ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔

عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں ستر میں داخل نہیں۔ لیکن اجنبی عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا جائز ہے

یا ناجائز تو اس میں اختلاف ہے اکثر علماء کے نزدیک جائز نہیں۔ بلکہ حرام ہے۔ چاہے شہوت کی نظر ہو یا بلا شہوت کیونکہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث مبارکہ سے صراحتاً یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم۔ ترجمہ:۔ کہہ دے مؤمنین سے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ مسلمان عورتوں کو بھی حکم ہے۔ وقل للمؤمنٰت یغضضن من ابصارھن۔ ترجمہ: اور کہہ دیں ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں۔ ان آیات میں مؤمن مرد اور عورت کو نظروں کی حفاظت کے بارے میں حکم دیا گیا۔ اس میں نظر شہوت اور بلا شہوت کا فرق نہیں کیا۔ بلکہ مطلقاً حکم ہے کہ نظریں نیچی رکھو۔

سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یا یھا النبی قل لازواجک وبنٰتک ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلا بیبھن

ترجمہ: اے پیغمبر اپنی بی بیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بی بیوں سے بھی کہہ دے کہ نیچی کر لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں۔

یعنی کسی ضرورت کے لیے گھر سے نکلیں تو سر اور چہرہ چھپا لیا کریں۔ مولانا اشرف علی تھانوی بیان القرآن میں فرماتے ہیں۔ اور یہ آیت منع عن کشف الوجہ میں صریح ہے۔ یعنی عورت جب ضرورت سے باہر نکلے تو اس کے لیے چہرہ کھولنا منع ہے۔

مشکوٰۃ شریف کتاب النکاح میں ہے۔ المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفھا الشیطن۔ ترجمہ: عورت ستر ہے۔ جب نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں رہتا ہے۔ یعنی عورت جب اپنے ستر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو لوگوں کی نظروں میں مزین کر کے دکھاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت باپردہ ہو کر نکلے تاکہ شیطانی چالوں سے محفوظ رہے۔

ایک اور حدیث میں ہے عن بریدۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی یا علی لا تتبع النظرۃ النظرۃ فان لک الاولیٰ ولیست لک الاٰخرۃ۔

ترجمہ:۔ فرمایا اے علی! نہ ڈال نظر کے بعد نظر اس لیے کہ پہلی نظر تیرے لیے جائز ہے اور دوسری ناجائز۔ یعنی پہلی ناگہانی نظر معاف ہے دوسری ماخوذ ہے۔ دوسری نظر قصداً ڈالی جائے تو جائز نہیں۔

ایک اور حدیث میں فرمایا۔ عن ام سلمۃ انھا کانت عند رسول اللہ علیہ وسلم ومیمونۃؓ اذا قبل ابن ام مکتوم فدخل علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلت یا رسول اللہ الیس ھو اعمیٰ لا یبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیا وان انتما الستما تبصرانہ۔ ترجمہ۔ ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور میمونہؓ حضورؐ کے پاس

تھیں کہ ابن مکتوم نابینا صحابی تشریف لائے۔ حضورؐ نے دونوں بی بیوں سے فرمایا کہ اس سے پردہ کرو۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ کیا وہ نابینا نہیں کہ ہم کو نہیں دیکھ سکتا۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ کیا تم دونوں بھی اندھی ہو گیا تم اس کو نہیں دیکھتیں۔؟

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ مرد اور عورت جب غیر محرم ہوں ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھیں ایک اور حدیث مرسل ہے۔ عن الحسن مرسلاً قال بلغنی ان رسول قال لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ۔ ترجمہ:۔ دیکھنے والے اور جس کی طرف دیکھا جائے دونوں پر اللہ کی لعنت ہے بعض علماء کے نزدیک مرد عورت کے چہرہ کی طرف دیکھ سکتا ہے۔ لیکن جب شہوت سے نہ ہو۔ ورنہ ان کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ مسجد نبوی میں چند حبشی نوجوان سپاہیانہ کھیل دکھا رہے تھے۔ تو حضرت عائشہؓ حضورؐ کے آڑ میں ان کو دیکھتی رہیں۔ عدم جواز کے قائل علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ حبشیوں کی طرف نہیں بلکہ کھیل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بہر حال حدیث محتمل ہے۔ آج کل کے فتنہ و فساد کے ماحول میں جب کہ بے پردگی عام ہے، ہر جگہ شہوت ابھارنے کے اسباب مہیا ہیں۔ ریڈیو۔ ٹی وی۔ رسالے۔ اخبارات۔ میگزین وغیرہ کا جائزہ لیا جائے تو حاصل شہوت پرستی نکلے گی۔ نام مسلم کلچر اور ثقافت رکھ دیا ہے۔ لہٰذا احتیاط اور خیر اسی میں ہے کہ اجنبی عورت کی طرف بالکل نہ دیکھا جائے۔

۳۔ نظر ضرورت: مشہور فقہی قاعدہ ہے۔ الضروریات تبیح المحظورات، ضرورت کے وقت ممنوع اشیاء جائز ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا قاضی حاکم اور ڈاکٹر کو ضرورت کے وقت اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ اجنبی عورت جب بیمار پڑ جائے تو ڈاکٹر سے معائنہ کراتے وقت پردہ نہیں کر سکتی خاص کر جب آپریشن ہو۔ عورت کو چاہیئے کہ بیماری کی حالت میں لیڈی ڈاکٹر کی طرف رجوع کرے اگر ڈاکٹرانی نہ ہو تو مرد سے علاج کروا سکتی ہے۔ آج کل تو لیڈی ڈاکٹروں کی بہتات ہے۔

۴۔ نظر ناگہانی:۔ اچانک کسی اجنبی عورت پر نظر پڑ جائے تو معاف ہے۔ اس ناگہانی نظر کو پہلی نظر کہا گیا ہے۔ بعض کج فہم اس سے یہ استنباط کرتے ہیں کہ اجنبی عورت کی طرف ایک مرتبہ دیکھنا جائز ہے۔ حالانکہ یہ اپنے نفس امارہ کو خوش کرنے والی بات ہے۔

عن جریر بن عبد اللہ قال سئلت رسول اللہ عن نظر الفجاءۃ فامرنی ان اصرف بصری۔۔ جریر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے ناگہانی نظر کے بارے میں پوچھا تو مجھے فرمایا کہ میں اپنی نظر پھیر دوں اگر دوبارہ قصداً نظر کی تو گنہگار ہوگا۔

عن ابی امامۃ عن النبیؐ قال ما من مسلم ینظر الی محاسن امرأۃ اوّل مرۃ ثم یغض بصرہ الا احدث اللہ لہ عبادۃ یجد حلاوتھا۔

ترجمہ: حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب کسی کی نظر عورت کے محاسن (حسن) پر پڑ جائے اور پھر اپنی نظر پھیر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے عبادت پیدا کرے گا جس کی حلاوت (مٹھاس) وہ محسوس کرے گا۔

پتہ چلا کہ پہلی نظر معاف ہے اور اس کے بعد نظر پھیرنی چاہیئے۔

۵۔ **نظر انتخاب**:۔ ایک آدمی اگر کہیں نکاح کرنا چاہے تو مخطوبہ عورت (جس کے ساتھ نکاح کا ارادہ ہے) کی طرف دیکھ (شرعی اور اخلاقی حدود کے اندر) سکتا ہے۔ کیونکہ یہ زندگی بھر کا سودا ہے۔ تاکہ بعد میں پشیمان نہ ہو۔ اگر دیکھنا ممکن نہ ہو تو عورتوں کو اس کے دیکھنے کے لیے بھیج دے۔ عورتوں کے بیان سے اس کی تسلی ہو جائے گی۔ یہ دیکھنے کا حق شریعت نے مرد کو دیا ہے کیونکہ نکاح کے لیے عورتوں کے انتخاب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فانکحوا ما طاب لکم من النساء۔ یعنی تمہیں جو عورت پسند ہو اس کے ساتھ نکاح کرو۔ مردوں سے اللہ تعالیٰ مخاطب ہیں۔ عورت سے نہیں کہا کہ تو مرد کا انتخاب کر۔ ہاں بالغ عورت کی رضامندی شرط ہے۔ احادیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ دیکھنے کا حق مرد کو ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عورت اپنے لیے خاوند کا انتخاب صحیح طور پر نہیں کر سکتی۔ اس لیے کہ عورت گھر کی زینت ہے۔ مرد ہر طرف سے معلومات حاصل کر سکتا ہے جب کہ عورت ایسا نہیں کر سکتی اور عورت شرم و حیا کا پیکر بھی ہے۔ عورت کی حیا اس کو اجازت نہیں دیتی کہ مردوں کے انتخاب کے پیچھے پھرتی رہے۔ بہرحال نکاح کے لیے عورت کو منتخب کر لیا تو اس کی طرف دیکھا جا سکتا ہے۔

طریقہ انتخاب:۔ شریعت نے کوئی خاص طریقہ نہیں بتایا کہ مخطوبہ عورت کو کس طرح اور کتنی مرتبہ دیکھا جائے۔ غالباً اس کو عرف پر چھوڑا گیا ہے۔ اس کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں۔

اس نظر انتخاب میں ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ کئی گناہوں کا مجموعہ بن جائے اس کی ہرگز اجازت نہیں۔ مثلاً آج کل کے نام نہاد مہذب طبقہ میں جب کسی لڑکی کا انتخاب کرنا ہوتا ہے تو اس کے لئے ایک بڑی تقریب منعقد کر کے خاص خاص دوست و احباب کو مدعو کرتے ہیں۔ لڑکا چند دوستوں اور رشتہ داروں کے ساتھ استقبال کے لیے گیٹ پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور مدعوعین حضرات و خواتین بن ٹھن کر تشریف لاتی ہیں ہر مدعو عورت نے خود کو اتنا سجایا ہوتا ہے کہ جس کی انتہا نہیں۔ گویا دلہن بن کر رخصت ہونے والی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس طریقہ انتخاب کو کوئی نفس امارہ کا اسیر اور شہوت پرست ہی جائز کہہ سکتا ہے۔ نظر انتخاب کیلئے احادیث ملاحظہ فرما دیں۔

عن جابرؓ قال قال رسول اللہ اذا خطب احدکم المرأۃ فان استطاع ان ینظر الی ما یدعوہ الی نکاحھا فلیفعل ۔ (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ :۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب تم کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینا چاہو تو اگر ہو سکے تو ان اعضاء کی طرف دیکھا جائے جو باعث نکاح ہیں (چہرہ وغیرہ)

عن ابی ھریرۃؓ قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی تزوجت امرأۃ من الانصار قال فانظر الیھا فان فی اعین الانصار شیأ ۔ (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ : ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضورؐ کے پاس آئے اور کہا کہ ایک انصار عورت سے نکاح کا ارادہ ہے تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس کی طرف دیکھ لے کیونکہ انصار کی عورتوں کی آنکھوں میں کچھ خلل ہے

عن المغیرہ بن شعبہ قال خطبت امرأۃ فقال لی رسول اللہ ھل نظرت الیھا قلت لا قال فانظر الیھا فانہ احری ان یؤدم بینکما ۔ مشکوٰۃ ۔

ترجمہ :۔ مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ میں نے منگنی کا ارادہ کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ کیا تو نے اس کو دیکھا ہے؟ میں نے کہا نہیں تو فرمایا کہ اس کی طرف دیکھ لے ۔ کیونکہ دیکھنے سے تمہارے مابین الفت پیدا ہوگی ۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جس عورت کو نکاح کا پیغام دیا جائے ۔ اس کی طرف دیکھنا جائز ہے ۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ مخطوبہ عورت کی طرف دیکھنے میں اختلاف ہے ۔ امام اوزاعیؒ، امام ثوریؒ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام اسحقؒ کے نزدیک جائز ہے عورت اجازت دے یا نہ دے ۔ امام مالکؒ کے نزدیک عورت کی اجازت کے ساتھ جائز ہے اور ایک روایت عن مالکؒ میں مطلقاً ناجائز ہے ۔ بہرحال جمہور کے نزدیک دیکھنا جائز ہے جیسا کہ احادیث سے ظاہر ہے ۔

قارئین سے گذارش

خط و کتابت کے وقت اپنا خریداری اعزازی تبادلہ نمبر ضرور رکھیں ۔ ورنہ ادارہ جواب دینے سے معذور ہوگا ۔
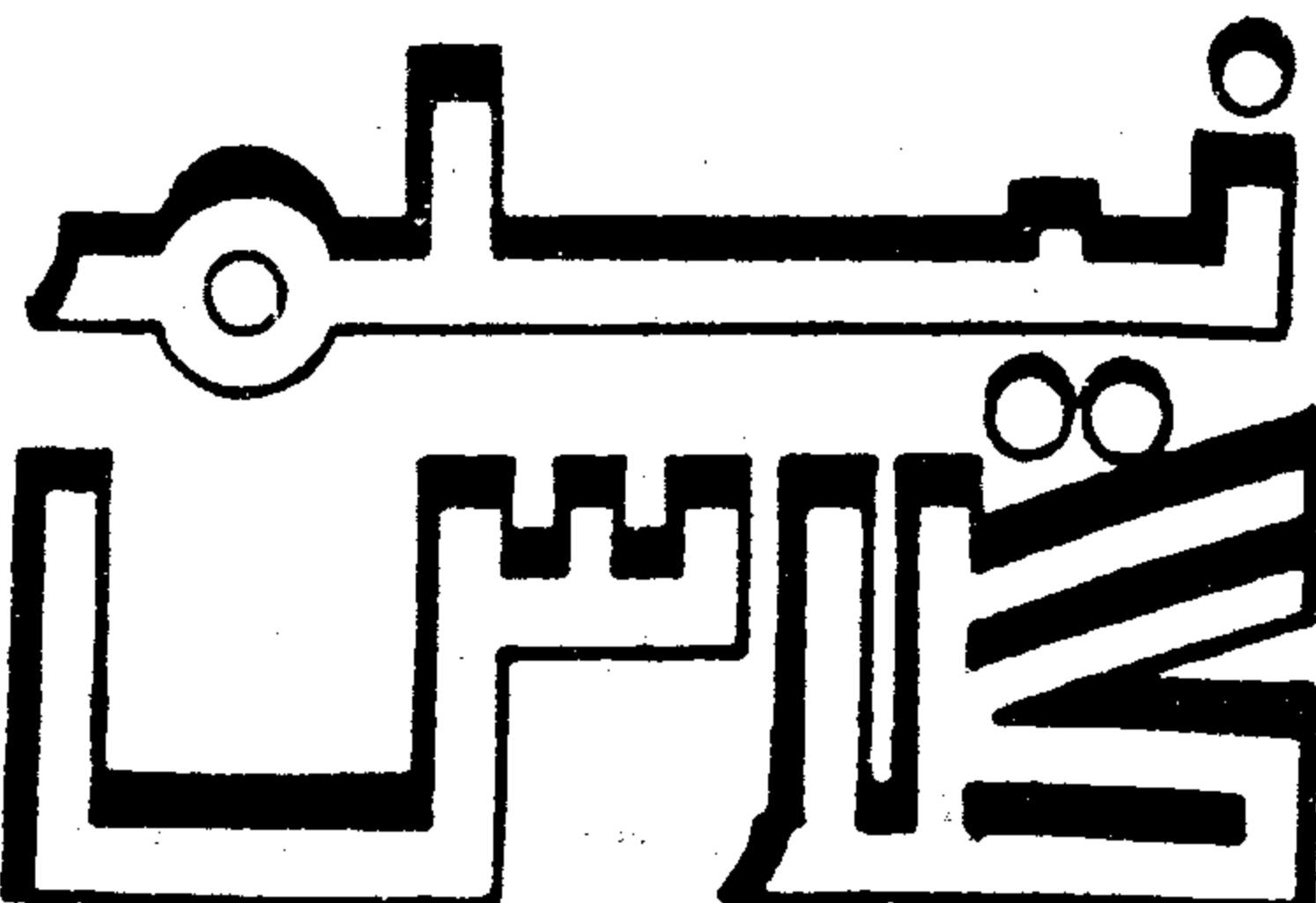
حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر

نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

سنگاپور میں امریکی نوجوان کو کوڑے کی سزا اور امریکہ کا واویلا

گذشتہ دنوں سنگاپور میں ۱۸ سالہ امریکی نوجوان مائیکل فے کو سنگاپور کی سڑکوں پر ہنگامہ کرنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا اور عدالت نے ملکی قانون کی خلاف ورزی پر چھ کوڑوں اور قید کی سزا سنائی جس پر امریکہ اور برطانیہ کے اخبارات نے بہت زیادہ واویلا کیا اور اسے جاہلانہ تہذیب قرار دیتے ہوئے سنگاپور کی حکومت پر دباؤ ڈالا گیا کہ کوڑوں کی یہ سزا معطل کی جائے کہ موجودہ تہذیب اس سزا کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ امریکی صدر بل کلنٹن نے سنگاپور کی عدالت کے فیصلے پر گہری تشویش کا اظہار کیا اور کھلے عام اس سزا پر کڑی نکتہ چینی کی۔ امریکی صدر نے اس سزا پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ I THINK IT WAS A MISTAKE

امریکہ کے نائب سیکریٹری آف اسٹیٹ ونسٹن لارڈ نے واشنگٹن میں سنگاپور کے سفیر کو امور خارجہ کے دفتر میں طلب کر کے اپنی حکومت کے موقف سے آگاہ کیا اور کہا کہ سنگاپور کی عدالت کے اس فیصلے سے امریکہ کو بڑی مایوسی ہوئی ہے اور ساتھ ہی یہ کہا کہ امور خارجہ امریکی شہریوں کو خبردار کرے گی کہ اگر سنگاپور میں امریکی شہری کسی جرم میں ملوث پایا گیا تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔

ٹائم انٹرنیشنل نے ۱۶ رمئی ۱۹۹۴ء شمارہ نمبر ۲۰ کے صفحہ ۳ پر THE MARK OF THE CANE کے عنوان کے تحت ایک مضمون شائع کیا اور امریکی نوجوان کو دی گئی کوڑوں کی سزا والی رنگین تصویر بھی شائع کی جس میں دکھایا گیا ہے کہ امریکی نوجوان کو ایک لکڑی پر پیٹ کے بل اوندھا کر کے اور ہاتھ پیر باندھ کر سزا دی جا رہی ہے۔ اور کوڑے مارنے والے کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ بڑی شدید ضرب لگا رہا ہے اور اس کا ہاتھ اوپر سے نیچے آ رہا ہے۔

امریکی نوجوان کو دی جانے والی یہ سزا امریکہ میں گفتگو اور بحث کا موضوع بنی ہوئی ہے اخبارات اور دیگر ذرائع امریکی عوام کی آراء معلوم کرنے کے لیے انٹرویو کر رہے ہیں سی این این کی رپورٹ بتلاتی ہے کہ امریکی عوام کی اکثریت سنگاپور میں دی جانے والی اس سزا کی حمایت کرتے ہیں اور سنگاپور کے ملکی قانون کا احترام کرتے ہوئے انہیں حق بجانب سمجھتے ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر امریکہ میں اس قسم کی کڑی سزائیں

نافذ کرے تو امریکہ میں جرائم ختم ہو سکتے ہیں اور لوگوں کے جان و مال کی حفاظت ہو سکتی ہے ۔

سنگاپور میں دی جانے والی اس سزا نے اس وقت عالمی شہرت حاصل کر لی ہے ۔ وہ لوگ جو اس سزا کو وحشیانہ اور جاہلانہ قرار دیتے ہوئے اسلام کی متعین کردہ سزاؤں کو نشانہ طعن بناتے تھے وہ بھی اب تسلیم کر رہے ہیں کہ ان سزاؤں سے معاشرہ کا لٹا ہوا سکون دوبارہ حاصل ہو سکتا ہے ۔ اور اس سے لوگوں کی عزت و عصمت جان و مال کا تحفظ کیا جا سکتا ہے ۔ سنگاپور کی حکومت اسلامی نہیں لیکن معاشرہ کی خوشحالی اور صحت یابی کے لیے جو بظاہر سخت سزائیں تجویز کرتا ہے اس سے سنگاپور کے عوام پوری طرح مطمئن ہیں ۔ اور امریکہ و یورپ کے بھی اکثر عوام اس سزا کے حامی ہیں ۔ البتہ وہ لوگ جن کے دلوں میں چور ہے ۔ جو بظاہر شریف اور بباطن بدمعاش ہیں ۔ وہ اس سزا کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں ۔ ان لوگوں کے نزدیک یہ سزائیں موجودہ تہذیب اور حقوق انسانی کے قطعاً خلاف ہیں ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نام نہاد مفکرین محض چند افراد کو بچانے کے لیے پورے معاشرے کو داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہیں ۔ ان کے نزدیک پورا معاشرہ بے شک غیر یقینی صورت حال سے دوچار رہے اور بے اطمینانی کی زندگی گزارے لیکن چند افراد پر کڑی سزائیں نافذ کر دینا وحشیانہ اور جاہلانہ عمل قرار پاتا ہے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے چور کو دی جانے والی سزا کے سلسلے میں کتنا پیارا بیان دیا ہے کہ : بلاشبہ جہاں کہیں یہ حدود جاری ہوتی ہیں دوچار ہی کی سزا یابی کے بعد چوری کا دروازہ قطعاً بند ہو جاتا ہے

> آج کل مدعیان تہذیب اس قسم کی حدود کو وحشیانہ سزا سے موسوم کرتے ہیں لیکن چوری کرنا اگر صاحبوں کے نزدیک کوئی مہذب فعل نہیں ہے تو یقیناً آپ کی مہذب سزا اس غیر مہذب دستبرد کے استیصال میں کامیاب نہیں ہو سکتی ۔ اگر تھوڑی سی وحشت کا تحمل کرنے سے بہت سے چور مہذب بنائے جا سکتے ہوں تو حاملین تہذیب کو خوش ہونا چاہیئے کہ ان کے تہذیبی مشن میں اس وحشت سے مدد مل رہی ہے ۔ (فوائد القرآن ص ۱۵۰)

جن ممالک میں یہ سزائیں کسی نہ کسی درجے میں رائج ہیں وہاں کے لوگ سکون و اطمینان کا سانس لیتے ہیں ۔ اور بے خوف و خطر آتے جاتے ہیں اور جہاں ان سزاؤں کو وحشیانہ اور غیر مہذب سزائیں کہا جا رہا ہے ان کے حالات بھی دیکھیں جرائم میں دن بدن اضافہ ۔ قتل و غارت گری ۔ تشدد و خوف ۔ ۸ سالہ بچی سے لے کر ۸۰ سالہ بوڑھی تک اس قسم کے قماش کا شکار بنی ہوئی ہے ۔ امریکہ ، برطانیہ میں شاید ہی کوئی ایک گھنٹہ گزرتا ہو جس میں کہیں نہ کہیں ہنگامہ ۔ چوری ۔ لوٹ مار قتل ہراساں کرنے اور عورتوں کو تنگ کرنے کے واقعات رونما نہ ہوتے ہوں ۔ اس کے باوجود مغربی حکمران دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم سے زیادہ مہذب کوئی نہیں ۔ ترقی ،

یورپ کی ہی تقلید میں مضمر ہے، جب کہ یہ ترقی نہیں تنزلی کی انتہا ہے۔ یہ تہذیب نہیں دورِ جاہلیت کی واپسی ہے ہمیں یقین ہے کہ انہیں تہذیب واخلاق اور انسانی حقوق کا معنی سمجھنے میں ضرور غلطی لگی ہے ورنہ کبھی اس قسم کی بے وقوفی کا ارتکاب نہ کرتے کہ ایک کے بدلے سو کی زندگی اجیرن ہو جائے۔

سنگاپور میں دی جانے والی سزا کی کیفیت یہ تھی کہ مجرم کے ہاتھ پیر خوب باندھے گئے اسے پیٹ کے بل اوندھا لٹایا گیا۔ مارنے والے نے پوری قوت کے ساتھ ہاتھ تان کر مارا۔ جبکہ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ کوڑے کی ضرب کا اثر انسان کی کھال تک رہے۔ اس طرح مارنا کہ اس کی کھال پھٹ جائے یا زخم آجائے یا اس کا اثر گوشت تک پہونچ جائے جائز نہیں ہے۔ مجرم کو باندھنا بھی اسی وقت ہو کہ وہ بھاگنے کی کوشش کرے ورنہ اسے باندھنے کی بھی اجازت نہیں۔ اور کوڑا بھی نہایت اوسط درجہ کا ہو نہ بہت سخت اور نہ بہت نرم اور پھر یہ کہ پوری قوت کے ساتھ ہاتھ تان کر مارنا بھی جائز نہیں رکھا گیا۔ بلکہ یہ ہدایت دی گئی کہ مارنے والا اس طرح مارے کہ اس کی بغل نہ کھلنے پائے۔ اضرب ولا یری ابطک (المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۵ ص۵۳۰)

جن اسلامی ممالک میں ان احکامات کی خلاف ورزی ہو رہی ہے اس کے بارے میں یوں تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ ان لوگوں کا اپنا فیصلہ ہے۔ جو غلط ہے۔ لیکن اس طریقے کو اسلام کے سر تھوپنا کسی صورت میں درست نہیں۔ اعدائے اسلام اسلامی ممالک میں رائج ان غلط طریقوں کو اسلامی طریقہ سمجھتے اور لوگوں کو سمجھاتے ہیں۔ ان کا اصل مقصد ممالک اسلامیہ کو نہیں۔ بلکہ اسلام کو نشانہ طعن بنانا ہوتا ہے۔

امریکی ومغربی حکمرانوں اور دانشوروں سے ہماری گذارش ہے کہ وہ ان مسلم اور غیر مسلم ممالک کی طرف ایک نظر کریں۔ جہاں مجرم کو اس قسم کی سزا دی جارہی ہے اور یہ بھی دیکھیں کہ ان قوانین کی روشنی میں ان ممالک میں جرائم کی شرح کیا ہے۔ پھر اپنے نام نہاد تہذیب یافتہ ملک اور وہاں تیزی سے بڑھنے والے جرائم بھی دیکھیں پھر فیصلہ کریں کہ ان سخت سزاؤں کے قوانین سے معاشرہ کو سکون نصیب ہوتا ہے یا نہیں؟ جرائم کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے یا کمی؟

جو حکمران اور دانشور مجرموں کو سخت سزا دینے کے مخالف ہیں وہ ہی دراصل مجرموں کو جرائم پر آمادہ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اور معاشرے کو اس قسم کے مفکرین کے فیصلوں سے جس خوف وکرب سے گزرنا پڑتا ہے اس کا مشاہدہ مغربی اور امریکی دنیا میں کیا جاسکتا ہے۔

جناب شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب و روز
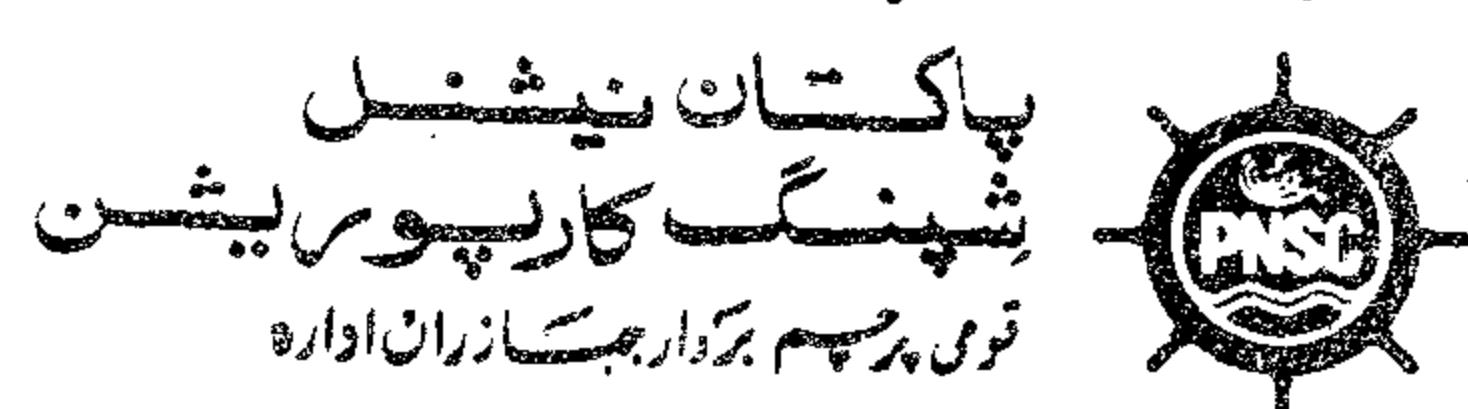
تقریب ختم بخاری شریف

حسبِ معمول امسال بھی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی جامع مسجد میں ۲۷/ دسمبر بمطابق ۲۳/ رجب ۱۴۱۵ھ ختم بخاری شریف کی تقریب منعقد ہوئی پہلے سے کسی پیشگی اطلاع کے بغیر دارالعلوم کے مخلصین، طلبہ کے متعلقین، علاقہ بھر کے علماء و مشائخ اور معزز شہریوں نے شرکت کی چونکہ اس موقع پر اس سال دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہونے والے ساڑھے چارسو (۴۵۰) فضلاء اور دارالحفظ والتجوید سے حفظ مکمل کرنے والے چالیس (۴۰) طلبہ کی دستاربندی کا بھی پروگرام تھا تو ملک بھر کے دور دراز علاقوں سے طلبہ کے والدین اقارب اور متعلقین نے بھی سینکڑوں کی تعداد میں شرکت کی منگل کی رات کو دارالعلوم میں عجیب علمی و دینی اور روحانی سماں تھا تمام ہاسٹلز، درسگاہیں احاطے برآمدے، مہمان خانے بن چکے تھے۔ ظہر کی نماز کے بعد جب شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ نے بخاری شریف کا آخری درس شروع کیا تو جامع مسجد دارالعلوم، جدید احاطہ، دورۂ حدیث کا وسیع صحن، ملحقہ چمن، درسگاہیں، سڑک اور پٹڑی کے کنارے، تعلیم القرآن ہائی سکول کے احاطے الغرض دارالعلوم میں کہیں بھی تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی، آخر پر دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے مفصل خطاب فرمایا۔ فارغ التحصیل ہونے والے علماء کو ان کی ذمہ داریوں، مستقبل میں کام کرنے کی ہدایات ملکی اور عالمی سطح پر رونما ہونے والے تغیرات اور اسلامی کاز کے لائحہ عمل پر روشنی ڈالی انہوں نے اپنی تقریر میں دارالعلوم کی مرکزیت، ملک میں اس کی وسیع خدمات اور وسطی ایشیاء اور چین کے طلبہ کے لیے داخلہ وقیام اور ان ہی کی زبانوں میں تعلیم کے اہتمام کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔

جدید ہاسٹلوں کی تعمیر کے باوصف جگہ کی قلت اور ہر سال طلبہ کی کثرت و اژدحام اور ان کے مسائل کے حل اور وسائل کی فراہمی کے سلسلہ میں اہل خیر سے خصوصیت سے سرپرستی و تعاون کی اپیل کی آخر میں عالم اسلام کے اتحاد، ملک میں امن و امان کے قیام، دینی قوتوں کی کامیابی، دارالعلوم حقانیہ کے سرپرستوں، بانیین، اساتذہ و طلبہ، معاونین اور متعلقین کے لیے خصوصیت سے دعاؤں کا اہتمام کیا گیا۔

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

O ye who believe! Fear God as
He should be feared, and die not
except in a state of Islam. And
hold fast, all together, by the
Rope which God stretches out
for you, and be not divided
among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

مولانا عبدالقیوم حقانی

تعارف وتبصرۂ کتب

تبصرہ کتاب کی مجموعی حیثیت پر کیا جاتا ہے تمام جزئیات سے ادارہ کا اتفاق نہیں

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ایمان افروز باتیں | مولانا ابوالحسن بارہ بنکوی کی علمی وتاریخی کاوش شیخ العرب والعجم کے ارشادات، ہدایات، تعلیمات اور عبرت انگیز واقعات کا حسین گلدستہ ہے مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلامؒ کے روحِ رواں حضرت مولانا قاری تنویر احمد شریفی کے عمدہ ذوقِ طباعت نے معنوی خوبیوں کے ساتھ ظاہری حسن جلد بندی وطباعت کو دیدہ زیب بنا دیا ہے ۲۴۰ صفحات کی یہ کتاب مضبوط جلد بندی کے ساتھ صرف ۱۵ روپے میں دستیاب ہے، ملنے کا پتہ مکتبہ رشیدیہ، قاری منزل پاکستان چوک کراچی۔

اصلاحی خطبات جلد ۴ | حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے سلسلہ خطبات کی یہ چوتھی جلد ہے جس میں اولاد کی اصلاح، والدین کی خدمت، غیبت، سونے کے آداب، تعلق مع اللہ، زبان کی حفاظت، حضرت ابراہیمؑ اور تعمیر بیت اللہ، وقت کی قدر، اسلام اور انسانی حقوق، اور شبِ برأت کی حقیقت جیسے اہم موضوعات پر مفصل اور موثر تقاریر ہیں خطبات کے مرتب حضرت مولانا محمد عبداللہ میمن مدظلہ، جدید ترین اور ہر لحاظ سے بہترین طباعت کے معیار کو ملحوظ رکھ کر یہ علمی رشحہ پارے ملتِ اسلامیہ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں، صفحات ۲۷۶، کمپیوٹر کتابت، شاندار طباعت قیمت ۸۰ روپے۔ نیز مولانا عبداللہ میمن صاحب نے حضرت عثمانی مدظلہ کی ان تقاریر کو علیحدہ علیحدہ بھی پمفلٹوں کی صورت میں طبع کر دیا ہے جن کی افادیت مسلّم اور طباعت معیاری ہے ملنے کا پتہ میمن اسلامک سنٹر ۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد کراچی ۱۹۔

امام ابوحنیفہؒ کی تابعیت | یہ کتاب الرحیم اکیڈمی کی مطبوعہ ہے حضرت مولانا عبدالشہید نعمانی کی علمی کاوش ہے۔ جس میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تابعیت، صحابہ کرامؓ سے ان کی ملاقات، روایت اور اس سے متعلقہ جملہ پہلوؤں پر تفصیلی سے مستند اور مدلل مباحث کا احتوا کیا گیا ہے، اکیڈمی کے چیئرمین جناب ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن غضنفر اپنی دیگر مطبوعات کی طرح اسے بھی عمدہ اور شاندار طباعت، صفحات ۱۲۸ دیدہ زیب ٹائیٹل اور ارزاں قیمت صرف ۳۰ روپے میں اہل علم کی خدمت

ہیں پیش کر رہے ہیں یہ علمی اور تحقیقی رسالہ اپنے موضوع پر جامع اور لاجواب ہے ملنے کا پتہ! الرحیم اکیڈمی ۱-۷/۷ اعظم نگر پوسٹ آفس لیاقت آباد کراچی ۱۹

قربانی اور اس کی اہمیت حضرت مولانا مفتی حفیظ الرحمٰن صاحب مدظلہ کی تصنیف ہے مولانا سعید الرحمٰن صاحب مدظلہ کا افتتاحیہ اور مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مدظلہ کا پیش لفظ اس کی علمی ثقاہت تحقیق وتصویب کی ضمانت ہے جس میں قربانی شرعی حیثیت، اہمیت، ضرورت، فضیلت، فوائد وثمرات، ضروری مسائل، آداب ومستحبات، جدت پسندوں کے اعتراضات کے جوابات، احکام عیدین وذبح پر سیر حاصل مباحث شامل ہیں، کتاب جامع، متعلقہ مباحث پر حاوی، علماء اور خطیبوں کے لیے ایک علمی تحفہ اور اپنے موضوع پر انوکھی اور دلچسپ کتاب ہے ۳۹۴ صفحات کی یہ کتاب، عمدہ طباعت اور گولڈن جلدی کے ساتھ ۱۰۰ روپے ہیں دار التصنیف والتالیف دار العلوم سعیدیہ اوگی ضلع مانسہرہ سے دستیاب ہے۔

عظمت کے مینار معروف سکالر جناب شفیق الاسلام فاروقی صاحب نے عہد ماضی سے دور حاضر کی چند اہم شخصیات اور ان کے سبق آموز واقعات کا انتخاب کیا ہے جو قلب ونظر کو توانائی عزم وہمت کو جولانیاں اور جذبۂ ایمان وجہاد کی انگیخت کا ذریعہ ہیں بار بار پڑھیئے اور ہر بار لطف اٹھایئے ۱۹۶ صفحات کی یہ کتاب عمدہ ٹائیٹل اور شاندار طباعت۔ صرف ۴۲ روپے میں دستیاب ہے۔

ملنے کا پتہ! حرا پبلی کیشنز اردو بازار لاہور۔

مخزنِ مواعظ اُردو ترجمہ مجموعۃ الخطب ماہنامہ الہادی کے مدیر اور مؤلفِ شہیر مولانا مشتاق احمد عباسی کی علمی کاوش ہے جو فقیہ العصر عالم لاثانی ولی کامل حضرت العلامہ مولانا عبدالحی لکھنوی کی مجموعۃ الخطب کا اُردو میں شستہ، سلیس اور رواں بامحاورہ ترجمہ ہے۔ مولانا عباسی کی خطبات ومواعظ جمعہ تو اس سے قبل مقبول عام اور دینی حلقوں میں پذیرائی حاصل کر چکے ہے مخزنِ مواعظ جو سال بھر کے ۶۸ عربی واُردو خطبات کا حسین مرقع ہے اپنی مثال آپ ہے۔ مولانا عباسی نے محنت کی اور پھر اشاعت وطباعت کے ہفت خواں بھی خود سر کیئے ۴۸۰ صفحات کی یہ ضخیم کتاب ارزاں قیمت پر ادارہ صدیقیہ نزد حسین ڈی سلوا گارڈن ڈپیٹ نشتر روڈ کراچی ۳ سے دستیاب ہے نو زائیدہ ادارہ صدیقیہ اپنی عمر قصیر میں جو استنے بڑے کام کر رہا ہے۔ اس پر مولانا عباسی صاحب اور ان کے رفقاء ستائش وتبریک کے مستحق ہیں۔

گستاخ رسول کی سزا مولانا قاضی محمد اسرائیل گرنگی کی تالیف ہے مختصر جامع، دلچسپ اور معلوماتی کتابچہ، انٹرنیشنل گولڈ میڈل انعامی تحریری مقابلہ میں

خصوصی انعام یافتہ۔ اپنے موضوع کے مختلف پہلوؤں پر حاوی، طرز تحریر سہل، دلچسپ اور نافع، صفحات ۸۴۔ عمدہ اور جاذب نظر ٹائیٹل ملنے کا پتہ! مکتبہ انوار مدینہ (مسجد صدیق اکبر) محلہ صدیق آباد اپر چنئی مانسہرہ نیز اسی ادارہ سے "مصباح البیان فی دوران القرآن" مولفہ مولانا قاضی مہدی الزمان صاحب بھی وصول ہوئی جس کا پیش لفظ بھی قاضی محمد اسرائیل صاحب نے لکھا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مترجم جلد ۲۰

حضرت العلامہ مولانا محمد صادق مغل مدظلہ العالی کی شبانہ روز کوشش محنت اور دیدہ ریزی سے علمی قانونی اور فقہی حلقے فتاویٰ عالمگیریہ کے دفعہ وار شق اردو ترجمہ سے مستفید ہو رہے ہیں الحق کے قارئین کے لیے یہ کوئی نیا تعارف نہیں اب تو صرف اطلاعاً عرض ہے کہ فتاویٰ عالمگیری مترجم اردو مع عربی متن، محشی، نمبروار احکام کے ساتھ، عکسی، اشاعت میں اس سلسلہ کی بیسویں نئی جلد نمبر ۲۰ جو بیع، سود، قرض اور ذخیرہ اندوزی وغیرہ کے احکام پر مشتمل ہے شائع ہو گئی ہے۔

جس میں بیع کی تعریف، اس کا رکن، اس کی شرط، اس کا حکم، اس کی قسموں، جانوروں وغیرہ کے عیوب کی پہچان، وہ شئی جس کی بیع جائز ہوتی ہے اور جس کی بیع جائز نہیں ہوتی، جانوروں کی بیع، محرم شخص کی بیع شکار، حرام شئی کی بیع، بیع میں ربا یعنی سود قرار پانا، پانی اور قدرتی برف کی بیع، ان چیزوں کی بیع جو دوسری چیزوں سے ملی ہوئی ہوں، بیع میں استثناء، قرض، قرض لینا، کوئی چیز بنوا کر لینا، مکروہ بیوع، فاسد منافع، راستہ میں بیٹھ کر خرید و فروخت کرنا اور احتکار یعنی منافع خوری کیلئے ضروریات کی مضر ذخیرہ اندوزی کے متعلق اردو اور عربی میں مستند احکام کا بیان ہے کاغذ اعلیٰ سفید، ٹائیٹل آرٹ پیپر دو رنگہ، جلد ڈائی دار ریگزین، قیمت علاوہ محصول ڈاک ۹۹ روپے۔ ملنے کا پتہ! نوید صادق مغل ناظم مجلس منتظمہ فتاویٰ عالمگیریہ اعوان ٹاؤن نئی آبادی ۲۷ گریار روڈ جی پی او راولپنڈی

جامع فہرست فتاویٰ عالمگیری

فتاویٰ عالمگیری مترجم اردو، حامل المتن، محشی نمبروار احکام کے ساتھ، اب تک طبع شدہ "تئیس کتب" جو پانچ ہزار دو سو چالیس صفحات پر مشتمل اور پانچ سو ترانوے عنوانات کی ذیل میں "تیرہ ہزار سات سو باسٹھ احکام" پر محیط ہیں اور متعلقہ کتب میں ان کی فہرستیں اردو اور عربی میں الگ الگ درج ہیں، مولانا محمد صادق مغل صاحب مدظلہ نے بعض احباب کی تجویز پر یہ طے کیا کہ مذکورہ ہزاروں صفحات میں جو سینکڑوں عنوانات اور ان کے ہزار ہا احکام پھیلے پڑے ہیں ان میں سے کسی بھی عنوان کے تحت کسی مسئلہ کا حکم و حوالہ تلاش کرنے میں سہولت کی خاطر اس کی ضرورت تھی کہ طبع شدہ سبھی کتب کی تفصیلی فہرستیں یکجا کر کے ایک "جامع فہرست" بھی طبع ہو تاکہ حسب ضرورت مطلوبہ عنوان اور اس میں مطلوبہ مسئلہ کا حکم و حوالہ دریافت کرنے میں مزید آسانی رہے۔ چنانچہ جامع فہرست ہو چکی ہے سائز ۲۰×۳۰/۸، کاغذ اعلیٰ سفید، ٹائیٹل دیدہ زیب، قیمت چار سو روپے مندرجہ بالا پتہ سے دستیاب ہے

اپنی جہاز راں کمپنی
پی این ایس سی
کے
جہاز
سے مال بھیجئے
بروقت - محفوظ - باکفایت
پی۔ این۔ ایس۔ سی بڑا عظموں کو ملاتی ہے۔ عالمی منڈیوں کو آپ کے
قریب لے آتی ہے۔ آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل
برآمد کنندگان اور درآمد کنندگان، دونوں کے لیے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔
پی۔ این۔ ایس۔ سی قومی پرچم بردار - پیشہ ورانہ مہارت کا حامل
جہاز راں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں
قومی پرچم بردار جہاز راں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے
پاکستان نیشنل
شپنگ کارپوریشن
قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ
PNSC

REGD. NO. P.90

AL-HAQ

منجانب